لنگڑا گروپ
اشتیاق احمد

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

محمود، فاروق، فرزانہ اور

انسپکٹر جمشید سیریز......ناول نمبر 690

لنگڑا گروپ

اشتیاق احمد

حدیث نبوی ﷺ

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ایک سال جس میں آپ نے وفات پائی، ٹڈی گم ہو گئی۔ آپ کو اس بات کا سخت غم ہوا۔ آپ نے یمن کی طرف ایک سوار بھیجا۔ ایک سوار شام کی طرف بھیجا جو ٹڈی کے متعلق پوچھتے تھے۔ کیا اس کو دیکھا گیا ہے یا نہیں۔ وہ سوار جو یمن کی طرف گیا تھا ایک مٹھی بھر کر لایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پھیلا دیں جب انہوں نے دیکھا، اللہ اکبر کہا اور فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی میں۔ اس امت میں سب سے پہلے ٹڈی ہلاک ہو گی۔ جب ٹڈی ہلاک ہو جائے گی۔ مخلوقات پے در پے ہلاک ہوں گی۔ جس طرح موتیوں کی لڑی کی ڈوری ٹوٹ جاتی ہے۔

مشکوۃ شریف

روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں

دو باتیں

السلام علیکم! لنگڑا گروپ حاضر ہے اور اس کی دو باتیں بھی... میں سوچ رہا ہوں... لنگڑے گروپ کی دو باتیں بھی ذرا لنگڑی قسم کی ہونی چاہئیں، اب یہ اور بات ہے کہ لنگڑی دو باتیں آپ کو بھاتی ہیں یا نہیں... یوں کہنے کو ہمارے ملک کی کون سی چیز لنگڑی نہیں... یہاں کی سیاست لنگڑی... حکومتیں لنگڑی... آپ نے دیکھا اور سنا ہو گا... بلکہ سمجھا ہو گا کہ جب کوئی نئی حکومت آتی ہے تو پرانی حکومت کی ہر بات لنگڑی نظر آنے لگتی ہے... پھر جب نئی حکومت یا کوئی اور حکومت آتی ہے... تو بالکل اسی قسم کی لنگڑی لنگڑی باتیں اس جانے والی حکومت کے بارے میں سننے میں آنے لگتی ہیں اور پہلے والی لنگڑی باتوں میں اور ان لنگڑی باتوں میں بال برابر بھی فرق نظر نہیں آتا... پھر ایسا ہی اس نئی حکومت کے بارے میں سننے میں آتا ہے... جب وہ جاتی ہے... ایسا آج سے نہیں پچاس سال سے ہو رہا ہے... گویا جب سے پاکستان بنا... صرف اور صرف لنگڑی حکومتیں ہی بنی ہیں... شاید ہم فخر سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں حکومت میں ذرا بھی لنگڑا پن نہیں تھا... ان حالات میں اگر آپ کو یہ ناول بھی لنگڑا لنگڑا لگے تو اس میں میرا کوئی قصور نہ نکال بیٹھیے گا... اس لیے کہ میں بھی تو اسی حکومت میں رہتا ہوں۔ میرا ملک بھی تو یہی ہے... اس میں شک نہیں کہ ہمارا ملک ذرا بھی لنگڑا نہیں... حکومت میں جو لوگ آتے ہیں... وہ درست نہیں ہوتے... ان کی بنا پر ملک تک لنگڑا نظر آنے لگتا ہے... اب اور کیا لکھوں... اب میں تو خود کو لنگڑا محسوس کرنے لگا ہوں۔ اگر ذرا دیر اور یہ باتیں جاری رکھیں تو میرا قلم بھی لنگڑا ہو جائے گا اور پھر جب لنگڑے قلم سے ناول لکھنے بیٹھوں گا تو... آپ جانتے ہی ہیں کہ پھر کیا ہو گا... لہٰذا ایسے وقت سے توبہ ہی بھلی۔

اشتیاق احمد

دودھ کی دھمکی

نواب جاری خان نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا...

"یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ ان کی طرف لپکے، ایسے میں خان رحمان چلائے۔

"خبردار! نواب جاری... ہم اس وقت دوستانہ فضا میں ملنے نہیں آئے۔"

"کیا مطلب؟" وہ بری طرح چونکے۔

"ہم ایک کیس کے سلسلے میں آئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کسی کیس سے میرا کیا تعلق... میں تو پوری دنیا سے کٹا ہوا انسان ہوں... نہ کسی کے بھلے میں نہ برے میں... نہ سیاسی معاملات میں دخل دیتا ہوں... نہ کسی کے ذاتی معاملات میں... میں تو بس اپنی اس حویلی کا ہو کر رہ گیا ہوں... نہ حویلی سے کہیں آتا، نہ کہیں جاتا... ملنے والے یہیں آکر مجھ سے مل لیتے ہیں... ورنہ میں تو کسی کی دعوت میں بھی نہیں جاتا... ان حالات میں خان رحمان... تمہارا یہ کہنا کہ تم

لوگ کسی کیس کے سلسلے میں آئے ہو، میرے لیے انتہائی حیرت انگیز ہے... بلکہ افسوس ناک ہے... اور خطرناک بھی... لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آئی... اس لیے مہربانی فرما کر پہلے تم وضاحت کر دو، پھر ہم اندر چلیں گے۔" یہاں تک کہہ کر نواب جاری خاموش ہو گئے اور ان کی طرف ہونقوں کی دیکھنے لگے۔

"دو جواب جمشید۔" خان رحمان نے برا سا منہ بنایا... پروفیسر داؤد مسکرا دیے۔

خان رحمان، پروفیسر داؤد اور نواب جاری دراصل بچپن کے دوست تھے اور حد درجے بے تکلف... اس لیے اس انداز میں باتیں کر رہے تھے...

"ہاں کیوں نہیں... بات دراصل یہ ہے نواب صاحب کہ ہمیں ایک خط ملا ہے... اس خط کے الفاظ یہ ہیں... 'ہم اپنے گھر کا ایک کمرہ آج تک نہیں دیکھ سکے، ہم اس کو دیکھنا چاہتے ہیں، کیا آپ ہمیں وہ کمرہ دکھا سکتے ہیں... گھر کا کوئی فرد بھی نہیں جانتا کہ اس کمرے میں کیا ہے سوائے ہمارے دادا جان کے۔"

"کیا مطلب؟" نواب جاری چونک اٹھے۔

"آپ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔"

"کیا یہ خط آپ لوگوں کو میرے کسی پوتے یا پوتی نے لکھا ہے۔"

"یہ ہمیں معلوم نہیں۔"

"تب پھر آپ میری طرف کس لیے آئے۔"

"آپ کے علاوہ ہم سردار اشرف کے ہاں بھی جائیں گے۔"

"کک... کیا... کیا۔" وہ چلا اٹھے۔

ان کے اس طرح چلانے پر وہ حیرت زدہ رہ گئے... انسپکٹر جمشید فوراً بولے:

"کیا ہوا نواب صاحب۔"

"نن نہیں... نہیں... نہیں۔" وہ پھر چلائے۔

"آخر بات کیا ہے۔"

"آجائیں... اندر آجائیں۔" وہ ڈرے ڈرے انداز میں بولے۔

اب تو مارے حیرت اور سسپنس کے ان کا برا حال ہو گیا... نواب صاحب انہیں اندر لے آئے... حویلی کے بڑے دروازے کے سامنے ایک پختہ سڑک تھی... انہیں اپنی گاڑی میں ہی اندر لایا گیا تھا، گاڑی چلاتے ہوئے وہ اس پختہ سڑک کے آخر میں پہنچے... وہاں بائیں طرف ایک بڑا کمرہ نظر آیا... نظر اس طرح آیا کہ وہ حویلی سے بالکل الگ تھلگ بنایا گیا تھا... گویا یہ استقبالیہ کمرہ تھا... دروازے کے باہر ایک باڈی گارڈ قسم کا آدمی کھڑا تھا، اس کی مونچھیں بہت خونخوار تھیں۔

"ارمان خان... دروازہ کھولو۔"

"کک... کیا..." ارمان خان نے حیران ہو کر کہا۔

ان کی حیرت اور بڑھ گئی.. انہوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا... نواب صاحب نے اپنے ملازم سے کوئی انوکھی بات نہیں کہی تھی... صرف یہ کہا تھا، کمرے کا دروازہ کھول دو... اتنی سی بات پر وہ حیران ہو کر کہہ رہا تھا... کک... کیا... کیا... وہ حیران نہ ہوتے تو کیا کرتے۔

"میں نے کہا ہے... دروازہ کھولو۔"

"لل... لیکن سر... آپ۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"بے وقوف... جو کہا ہے... وہ کرو۔"

"جج جی... اچھا... لیکن پھر آپ مجھے کچھ نہ کہیے گا۔"

"نہیں کہوں گا... بس تم دروازہ کھول دو۔"

"او کے سر... میں آپ کو ایک بار پھر یاد کرا دیتا ہوں کہ آپ کی ہدایات..."

"خاموش... کھڑے گھاٹ نوکری سے نکال دوں گا... اگر اب ایک لفظ بھی کہا۔"

"یہی... میں چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب... کیا چاہتے ہو تم۔"

"یہ کہ آپ مجھے کھڑے گھاٹ نوکری سے نکال دیں۔"

"کیا تم واقعی جانا چاہتے ہو۔" نواب صاحب یک دم غمگین نظر آنے لگے... انہیں اپنے دماغ گھومتے محسوس ہوئے۔

"ہاں نواب صاحب... میں اس نوکری سے جان چھڑانے

کے لیے جان کی بازی بھی لگانے کو تیار ہوں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

وہ ہنس پڑے...

"آپ کس بات پر ہنسے۔"

"اگر آپ اس نوکری سے اس حد تک تنگ ہیں... تو خود ہی چھوڑ کر چلے جائیں... نواب صاحب آپ کو زبردستی تو رکھ نہیں سکتے۔"

"آپ نہیں جانتے۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"یار تم ہمارا وقت ضائع کر رہے ہو۔" نواب صاحب غرائے۔

"یہ آپ کے مہمان ہی مجھ سے بات کرنے لگے ہیں... میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔"

"ہاں! یہ تو واقعی ہے... نواب صاحب... یہ کیا چکر ہے۔" خان رحمان بولے۔

"اس کا والد بھی حویلی کا غلام تھا... جب وہ بوڑھا ہو گیا اور لگا مرنے... تو اس نے ہمیں اپنا بیٹا غلامی کے لیے دے دیا... کیوں ارمان خان۔"

"جج... جی ہاں! یہ درست ہے۔" ارمان خان فوراً بولا۔

"اور اس نے ارمان کو وصیت کی تھی کہ وہ حویلی کی ملازمت چھوڑ کر ہر گز ہر گز نہ جائے... ورنہ اس کی روح تڑپ اٹھے گی اور اگر

اس کی روح تڑپ اٹھی تو وہ اپنا دودھ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

"کک... کیا کہا... باپ دودھ معاف نہیں کرے گا... لیکن دودھ تو مائیں پلاتی ہیں اور معاف کرنے کا اختیار بھی انہی کو ہوتا ہے۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ سمجھے نہیں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"چلیں پھر آپ ہی سمجھا دیں۔" خان رحمان نے سرد آہ بھری۔

"میری ماں تو میرے پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئی تھی... اور باپ نے ہی مجھے پالا تھا... بازار کا دودھ پلا پلا کر... تو وہ مجھے اسی دودھ کی دھمکی دیا کرتے تھے۔"

"دو... دو... دودھ کی دھمکی۔" فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں! کہہ دو... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" محمود نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں... میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔"

"کیا!!!" فرزانہ اور محمود ایک ساتھ بولے۔

"یہ کہ یہ کسی ناول کا نام ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"حد ہو گئی... ہے کوئی تک اس بات کی۔"

"نہیں... تک نہیں ہے... لہٰذا ذرا تم چپ رہو... دیکھ نہیں رہے... ہم سسپنس کے کس قدر خوفناک موڑ پر ہیں۔"

"کک... کیا کہا۔" فاروق چلا اٹھا۔

"اب کیا ہوا۔" محمود بوکھلا کر بولا۔

"میرا مطلب ہے.. یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے.. خوفناک موڑ۔"

"حد ہو گئی یعنی کہ۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"ہو گئی ہو گی... اس کا کام ہی کیا ہے۔"

"بھئی اب چپ رہو... بے چارے ارمان خان بھائی سامنے کھڑے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں... شاید وہ سوچ رہے ہیں کہ ان سے زیادہ عجیب چیزیں تو تم ہو۔" انسپکٹر جمشید نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"نہیں جناب! میں ایسا ہرگز نہیں سوچ رہا۔"

"خیر خیر... ایک بات طے ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور وہ کیا؟" اس نے فوراً کہا۔

"آپ کم از کم کچھ سوچ ضرور رہے تھے۔"

"یہ لو جمشید... اب تم بھی ان کی باتوں کی رو میں بہہ گئے۔"

"بلکہ باتوں کے دھارے میں۔" فاروق بول پڑا۔

"اور رو کی نسبت دھارا خطرناک ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے... آج ہم یہیں کھڑے کھڑے شام کر دیں گے۔" نواب جاری نے تنگ آکر کہا۔

"اوہ سوری... نواب صاحب... ہم تو بھول ہی گئے کہ ہم

کہاں کھڑے ہیں... اور کیوں کھڑے ہیں۔"

"اب تو یاد آ گیا نا۔" نواب صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں! بالکل۔"

"لہٰذا چند منٹ کے لیے خاموش ہو جائیں... ارمان خان.. تم دروازہ کھولتے ہو یا نہیں..."

"نن نہیں۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"کیا کہا... نن نہیں۔"

"ہاں سر... یہی کہا ہے... میں دروازہ نہیں کھولوں گا... بس سوچ لیا ہے میں نے اور فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔"

"تب پھر یہی وہ کمرہ ہے۔" فاروق نے گویا اعلان کیا۔

"کک... کون سا کمرہ۔" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"جس کے بارے میں ہمیں وہ خط ملا ہے۔"

"ارے نہیں... آپ غلط سمجھے... دراصل اس کمرے میں۔"

نواب صاحب کہتے کہتے رک گئے... ارمان خان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"دراصل اس کمرے میں کیا؟"

"ٹھہریں... ایک منٹ۔"

یہ کہہ کر نواب صاحب آگے بڑھے... ارمان خان کو ایک طرف دھکیلا اس کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور اس میں سے ایک چابی کمرے کے دروازے پر لگے بڑے سے تالے میں داخل کی...

فوراً ہی تالا کھل گیا... اور پھر انہوں نے دونوں ہاتھوں سے دباؤ ڈال کر دروازہ کھول دیا۔

"آئیے جناب۔"

جونہی وہ اندر داخل ہوئے... بری طرح اچھلے۔

☆...☆...☆

خط کس نے لکھا

اندر سے انہیں وہ کمرہ اور بھی بڑا نظر آیا... کسی ہال سے بھی بڑا... اس کی چھت بھی حد درجے اونچی تھی... اس کے فرش کا رنگ بالکل سیاہ تھا اور دیواریں بالکل سفید تھیں... سفید دیواروں پر بڑے بڑے فریم لگے ہوئے تھے... ان فریموں میں بڑے بڑے بوڑھے آدمیوں کی خوفناک قسم کی تصاویر تھیں... کسی کا سر کٹا ہوا تھا... کسی کا دھڑ غائب تھا... کسی کا بازو کٹا ہوا تھا... تو کسی کی ٹانگ... کسی کے جسم کے دو ٹکڑے ہوئے پڑے تھے... وہ ان ہولناک تصاویر کو دیکھ کر سکتے میں آگئے... ان کے جسم پسینے سے بھیگ گئے... ادھر ارمان خان اندر نہیں آیا تھا... وہ پتھر کے بت کی طرح باہر ہی کھڑا رہ گیا تھا، اب بھی اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں تھی... اگرچہ وہ صرف دروازے کے ساتھ والی دو تین تصاویر کو دیکھنے کے قابل تھا... لیکن ان دو تین تصاویر نے ہی اس پر لرزہ طاری کر دیا تھا... آخر اس نے وہاں سے دوڑ لگادی... اور جلد ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"یہ... یہ کہاں گیا؟" انسپکٹر جمشید ہکلائے۔

"کک... کون؟"

"ارمان خان۔"

"اب وہ اپنے کمرے میں چلا گیا ہے... وہاں سے کئی گھنٹے تک نہیں نکلے گا۔"

"آخر کیوں۔"

"ان میں سے ایک تصویر اس کے باپ کی بھی ہے... اسے بھی قتل کیا گیا تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چلائے۔

"ہاں جناب! یہی وہ کمرہ ہے... جسے میں نے آج تک اپنے بچوں کو بھی نہیں دکھایا اور اسی لیے یہاں ارمان خان کی ڈیوٹی لگا رکھی ہے۔"

"لل... لیکن جناب... ارمان خان تو ہر وقت یہاں ڈیوٹی نہیں دے سکتا... آخر اسے بھی سونا تو ہوتا ہوگا۔"

"ہاں! کیوں نہیں... رات کے وقت یہاں غافل پہرہ دیتا ہے۔"

"جی... کیا نام لیا آپ نے۔"

"غافل... میرا دوسرا ملازم... رات کو اس کی ڈیوٹی یہاں ہوتی ہے... ابھی تھوڑی دیر تک آجائے گا۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کمرے میں جتنی تصاویر نظر آرہی ہیں... ان سب کو قتل کیا گیا تھا۔"

"ہاں! بالکل یہ بات ہے... اور اب میری باری ہے۔"

"کیا مطلب... آپ کے ان تمام بزرگوں کو قتل کیا گیا تھا۔"

"بالکل۔" وہ فوراً بولے۔

"نن نہیں..." ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اسی لیے میں اس کمرے کو گھر کے کسی فرد کو نہیں دکھاتا، ہمارے خاندان کی تاریخ اس کمرے سے ثابت ہے... یہ کل نو تصاویر ہیں... ان میں سے اگر ارمان خان کے باپ کی تصویر کو الگ کر دیا جائے تو باقی آٹھ تصاویر میرے باپ دادا اور ان کے بھائیوں کی ہیں... یعنی کسی نے میرے دادا کو قتل کیا... پھر ان کے بھائیوں کو... اور پھر میرے باپ کو اور ان کے بھائیوں کو۔"

"لیکن یہ تصاویر کس نے بنوائیں۔"

"کسی نے نہیں... یہ تصاویر خود میں نے بنائی ہیں... جب بھی کوئی مرا... میں برش اور رنگ لے کر بیٹھ گیا اور تصویر بنانا شروع کر دی... اور جس حالت میں کوئی مارا گیا... میں نے اسی حالت کی تصویر بنائی... اس لیے کہ خان رحمان جانتے ہیں... میں بچپن ہی سے اس کام کا ماہر ہوں... انہیں یاد ہو گا... ایک بار ہم کلاس میں بیٹھے تھے، ایک لڑکے نے ایک تصویر بنائی اور اس تصویر کو میرے پاس لایا... اس نے کہا... جاری... ذرا اس تصویر کے چہرے پر مسکراہٹ لے آنا... خان صاحب تمہیں یاد ہو گا... میں نے اس تصویر کے چہرے پر دو تین لکیریں بنائی تھیں اور تصویر مسکرانے لگی تھی۔"

"اوہ ہاں! یہ بات مجھے آج تک یاد ہے۔" خان رحمان چونک کر بولے۔

"اب آپ کو یقین آ گیا ہو گا... کہ یہ تصاویر میں نے خود بنائی ہیں۔"

"لیکن کیوں..."

"پولیس ان کے قاتلوں کو پکڑ نہیں سکی تھی... اور میں نے معاملے کو حد درجے خفیہ رکھا تھا... تاکہ کبھی تو ملزم کھل کر سامنے آئے... اس لیے میں آپ لوگوں کو بھی کچھ نہ بتا سکا۔"

"لیکن... ارمان خان کو یہ ساری باتیں کیوں معلوم ہیں۔"

"تصاویر بنانے اور دیواروں پر آویزاں کرنے کے لیے مجھے ہر بار اس کی ضرورت محسوس ہوئی... پھر میں نے اس کے باپ کی تصویر بھی بنائی تھی... وہ دراصل اس کو دیکھتے ہوئے گھبراتا ہے... اسے اپنا باپ حد درجے یاد آتا ہے۔"

"اوہ... اب بات سمجھ میں آئی... کیا آپ کے دادا اور ان کے بھائیوں کے قتل بھی آپ کے سامنے ہوئے۔"

"ہاں! میں اس وقت سکول میں پڑھتا تھا۔"

"تب تو پھر ان کا قاتل شاید مر کھپ بھی گیا ہے۔"

"ہاں! لیکن میرے باپ اور ان کے بھائیوں کا قاتل ضرور ابھی زندہ ہے۔"

"آپ یہ بات یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"ہر ماہ اس کا ایک بار فون ضرور آتا ہے... وہ کسی پبلک فون بوتھ سے فون کرتا ہے۔"

"اوہ... اوہ... اور فون پر کیا کہتا ہے۔"

"یہ کہ اس کے باپ نے میرے دادا اور ان کے بھائیوں کو قتل کیا تھا اور اس نے میرے باپ اور اس کے بھائیوں کو قتل کیا، اور یہ کہ اب میری باری ہے... میں تیار رہوں۔"

"تب تو آپ کی زندگی خوف کا شکار ہو کر رہ گئی ہو گی۔"

"خوف... ہاں میں بہر حال خوف محسوس کرتا ہوں... لیکن اب میں اس میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"اور پولیس کوئی سراغ نہ لگا سکی۔"

"بالکل بھی نہیں... قاتل نے کوئی نشان نہیں چھوڑا... کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا۔"

"یہ تو خیر نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"قاتل نے کوئی نہ کوئی نشان ضرور چھوڑا ہو گا... لیکن پولیس اس نشان کو دیکھ نہیں سکی ہو گی... ایسے کاموں میں بہت تیز مشاہدے کی ضرورت ہے۔"

"تب پھر آپ کوئی چیز تلاش کر کے دکھا دیں۔"

"یہ کام تو موقع واردات پر ہی ہوتا ہے۔"

"میں نے موقع واردات کی تصاویر تیار کروائی تھیں اپنے

طور پر۔"

"اوہ... اوہ۔"

"یہ تصاویر انہی تصاویر کو دیکھ دیکھ کر میں نے بنائی ہیں... لیکن کیمرے کی تصاویر میں بہت سی ایسی چیزیں ہوں گی... جو میں نے ہاتھ کی تصاویر میں نہیں بنائیں۔"

"اوہ اچھا... اب ہم سمجھے... ہم آپ کی تصاویر والا البم ضرور دیکھیں گے... آپ فکر نہ کریں اور آپ کے قاتل کو ہم گرفتار کریں گے۔"

"یہ... یہ کیا کہا آپ نے... آپ قاتل کو گرفتار کریں گے۔"

"ہاں بالکل... اس لیے کہ اسے گرفتار ہونا ہی چاہیے... اتنے قتل کرنے کے بعد وہ کیوں محفوظ ہے... اس کا باپ کیوں محفوظ رہا۔"

"قاتل کا باپ۔" نواب صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں! قاتل کا باپ... کیوں محفوظ رہا... وہ کیوں گرفتار نہ ہو سکا۔"

"مجھے تو معلوم ہی نہیں... قاتل کون ہے... تو اس کے باپ کے بارے میں کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔"

"اب یہ کام ہم کریں گے... ہم ان تصاویر کو پھر کسی وقت پر سکون ہو کر دیکھیں گے... آپ فی الحال ہمیں کمرے والی تصاویر

دکھائیں۔"

"ان کو دیکھ کر ہی خوف محسوس ہوگا۔"

"آپ فکر نہ کریں... ہم خوف محسوس کرنے سے نہیں گھبراتے، بلکہ ہم تو اس معاملے کافی بے خوف ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

نواب صاحب نے اسے تیز نظروں سے گھورا جیسے کہہ رہے ہوں... یہ کیا بے تکی بات کی ہے ان صاحب نے... لیکن منہ سے کچھ نہ بولے۔

"آیئے پھر اب میں آپ کو اندر لے چلتا ہوں... اب تو آپ میرے باقاعدہ مہمان بن گئے ہیں۔"

"نہیں... ہم اس کے مہمان ہیں... جس نے ہمیں یہ خط لکھا ہے... ویسے نواب صاحب آپ کے خیال میں خط کس نے لکھا ہوگا۔"

"شاید میرے بچوں میں سے کسی نے... وہ ایسے کام کرتے رہتے ہیں..."

"دراصل ہم ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں ان سے پوچھوں گا... کہ خط ان میں سے کس نے لکھا ہے۔"

"تو آپ انہیں یہ کمرہ دکھا کیوں نہیں دیتے۔"

"وہ سب خوف زدہ ہو جائیں گے... تمام زندگی خوف کا

شکار رہیں گے.. آپ خود سوچیں.. اگر وہ دشمن مجھے قتل کر دیتا ہے.. اور کمرے کی کہانی انہیں معلوم ہے... تو وہ کس قدر خوف زدہ ہو جائیں گے۔"

"اوہ ہاں... واقعی... ان حالات میں تو کمرہ کسی کو بھی نہیں دکھانا چاہیے۔"

"دوسرے ملازم جس کا نام عاقل ہے... کیا اس کے والد بھی حویلی کے ملازم تھے۔"

"نہیں... سالہا سال پرانا ملازم خاندان بس ارمان خان کا ہے..."

"خوب... چلیے۔"

اب وہ انہیں حویلی کے اندر لے آئے... اس وقت تک ان کی آمد کی خبر حویلی میں پھیل چکی تھی... وہ سب ان کے ارد گرد جمع ہو گئے اور لگے ٹکر ٹکر دیکھنے۔

"آپ لوگ اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں... ہم لوگ اسی دنیا کے انسان ہیں... کسی دوسری دنیا کی مخلوق نہیں ہیں۔"

"اوہ... نن نہیں... ہم یہ نہیں سوچ رہے۔" ان میں سے ایک نوعمر لڑکے نے کہا۔

"تب پھر آپ کیا سوچ رہے ہیں۔"

"یہ کہ آپ اچانک ہماری حویلی میں کیسے آ گئے... آپ کی تو ہم دن رات باتیں کرتے نہیں تھکتے۔" ایک لڑکی بولی۔

"آپ اتنے بہت سے ہیں... لہٰذا نام تو ہمیں آپ سب کے یاد نہیں رہیں گے... تاہم آپ میں سے ایک کا نام ضرور جاننا اور یاد رکھنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

"کیا مطلب؟" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"مطلب یہ کہ... آپ میں سے ہمیں خط کس نے لکھا ہے؟" یہ کہتے ہوئے انہوں نے سب کے چہروں پر نظر دوڑائی۔

"خط... کیا مطلب؟" وہ سب چلا اٹھے۔

"یہ رہا خط... آپ میں سے کسی ایک نے یہ ہمیں لکھا ہے... نواب صاحب... آپ ذرا کیمرے کی وہ تصاویر لے آئیں... ہم اتنی دیر میں اس کا پتا چلالیں گے۔"

"کک... کیا واقعی۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! یہ کچھ مشکل نہیں۔"

"کیا واقعی۔" وہ پھر بے یقینی کے عالم میں بولے۔

"ہاں واقعی۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے... میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں واپس آنے کی کوشش کروں گا... اب دیکھنا یہ ہے کہ پندرہ منٹ میں آپ خط لکھنے والے کا پتا چلالیتے ہیں یا نہیں۔" یہ کہہ کر نواب صاحب تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے۔

"ہم کہیں بیٹھ نہ جائیں۔"

"ضرور... ہال میں چلتے ہیں... اتنے بہت سے نواسے،

نواسیاں... پوتے پوتیاں، بیٹے، بیٹیاں اور بہوئیں تو ہال میں ہی سما سکتی ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

سب لوگ مسکرانے لگے... پھر وہ ہال میں داخل ہوئے... ہال کو جدید انداز میں جدید چیزوں سے سجایا گیا تھا... سب لوگ کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھ گئے... صرف انسپکٹر جمشید کھڑے رہ گئے... انہوں نے بغور ان سب کا جائزہ لیا... گھڑی دیکھی... پھر بولے:

"وقت بہت کم ہے... یہ میں اپنی نوٹ بک کھول کر میز پر رکھ رہا ہوں... آپ سب جلدی جلدی یہاں آتے جائیں اور صرف ایک لفظ لکھ کر واپس اپنی جگہ جا بیٹھیں... لفظ کے سامنے اپنا نام ضرور لکھیں... کیا سمجھے۔"

"اور وہ لفظ کیا ہے۔"

"کمرہ۔" وہ بولے۔

"جی... کیا مطلب؟" سب بولے۔

"آپ کو صرف لفظ کمرہ لکھنا ہے اور سامنے اپنا نام.... جلدی کریں... جلدی۔"

"جی اچھا۔"

انہوں نے گویا دوڑ لگادی... سب باری باری لکھتے چلے گئے، یہاں تک کہ سب فارغ ہوگئے... انہوں نے ان سب کے لفظ کمرے کو غور سے دیکھا اور پھر مسکرادیے... عین اس لمحے نواب

صاحب اندر داخل ہوئے.. ان کے ہاتھ میں تصاویر کا ایک البم تھا...

"کیا رہا؟" وہ بولے۔

"میں نے جان لیا ہے... خط کس نے لکھا ہے۔"

"بہت خوب... پہلے تو پھر یہ معلوم ہو جائے۔"

"یہ بتانے سے پہلے آپ بھی یہاں لفظ کمرہ لکھ دیں۔" انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب... کمرہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! آپ یہ لکھ دیں... یہاں نوٹ بک پر... اور سامنے اپنا نام لکھ دیں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ اچھا... لیکن اس کی کیا ضرورت ہے... آپ تو پہلے ہی جان چکے ہیں... کہ خط کس نے لکھا ہے۔"

"میں اس پر پختہ یقین چاہتا ہوں... آپ کے لکھنے کے بعد یقین ہو جائے گا۔"

"اچھی بات ہے... کوئی اعتراض نہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے بھی لفظ کمرہ لکھ دیا... اور سامنے اپنے دستخط کر دیے...

انہوں نے ان کے نام اور دستخط کو غور سے دیکھا، پھر بولے۔

"ٹھیک ہے... اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔" انہوں نے اعلان کیا۔

"جی... کیا کہہ سکتے ہیں۔"

"یہ کس نے خط لکھا تھا۔"

"تب پھر بتا دیں۔"

"ضرور! کیوں نہیں... میں نے آپ سب کو لفظ کمرہ لکھنے کی دعوت دی تھی... میں جانتا تھا... خط جس نے بھی لکھا ہے... وہ لفظ کمرے کو اور انداز میں لکھنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔"

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"جب کہ وہ اپنا۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے... ساتھ ہی وہ بھرپور انداز میں مسکرا اٹھے تھے۔

"جب کہ وہ اپنا کیا؟ آپ رک کیوں گئے۔" سب بے چین ہو کر بولے۔

"جب کہ وہ اپنا نام بگاڑ کر نہیں لکھے گا... کیونکہ اسے معلوم ہے... میں لفظ کمرے پر زور دوں گا... نہ کہ نام پر... اور یہی میں نے چکر دیا... لہٰذا آپ سب نے اپنا نام تو بالکل اسی طرح لکھا ہے... جس طرح کہ عام حالات میں لکھتے ہیں... لیکن لفظ کمرہ خط لکھنے والے نے خط بگاڑ کر لکھا ہے اور خط کا یہ بگاڑنا صاف نظر آتا ہے... دوسرے یہ کہ اس کے نام میں ایک ایسا حرف موجود ہے... جس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ خط اس نے لکھا تھا۔"

"کیا مطلب... وہ لفظ کونسا ہے... آخر خط کس نے لکھا تھا۔"

"نواب صاحب نے۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

❁ ❁ ❁

دروازے پر

چند لمحے تک وہ سب انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے، آخر خود نواب صاحب نے کہا:

"کیا کہا آپ نے... یہ خط میں نے لکھا ہے... غلط... بالکل غلط... یہ خط تو ہے ہی میرے خلاف... کہ میں اس کمرے کو بند رکھتا ہوں، کسی کو دیکھنے نہیں دیتا... پھر بھلا میں خود یہ خط کیسے لکھ سکتا تھا۔"

"فی الحال میں یہ نہیں جانتا... کہ آپ نے ایسا کیوں کیا... لیکن میرا دعویٰ ہے کہ خط آپ نے لکھا ہے۔"

"نہیں... یہ بات درست نہیں... ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے میری تحریر نقل کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو میری نظروں سے چھپی نہ رہتی... لہٰذا خط آپ نے لکھا تھا۔"

"حد ہو گئی... میں انکار کیے جا رہا ہوں اور آپ کہہ رہے ہیں... میں نے لکھا ہے... ہے کوئی تک۔"

"تک تو خود ہمیں اپنی باتوں میں نظر نہیں آتی... آپ کو

کیسے نظر آئے گی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں پھر کہوں گا... خط آپ نے لکھا تھا۔"

"ارے ہاں! آپ نے اس حرف کے بارے میں نہیں بتایا۔" محمود چونکا۔

"یہ تم خود بتاؤ... وہ کون سا حرف ہے... جو خط میں بھی موجود ہے اور ان کے نام میں بھی اور اس کاغذ پر لکھے نام کے اور خط کے عین مطابق بھی ہے۔"

"یہ کیا مشکل ہے۔"

"چلو مشکل نہ سہی... بتاؤ گے پھر بھی تم۔"

"جی اچھا۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

انہوں نے خط اور نواب جاری خان کا لکھا ہوا نام اپنے سامنے کر لیا... فوراً ہی انہیں وہ حرف نظر آ گیا... لہٰذا وہ پکار اٹھے۔

"وہ حرف نون ہے... دیکھئے نواب صاحب... صرف نون اس خط میں بالکل اسی طرح ہے... جس طرح آپ نے اس خط پر لکھا ہے۔"

"اوہ... اوہ۔" وہ دھک سے رہ گئے... ان کے چہرے پر ایک آکر گزر گیا... آخر انہوں نے تھکے تھکے انداز میں کہا:

"ٹھیک ہے... یہ خط میں نے لکھا تھا۔"

"کیا!!!" ان کے گھر کے سب افراد پکار اٹھے۔

"ہاں! سچ یہی ہے... خط میں نے لکھا تھا۔"

"حیرت ہے... کمال ہے... دادا جان آخر آپ کو یہ سوجھی کیا۔" ان کا ایک پوتا بول اٹھا۔

"میں دیکھنا چاہتا تھا... یہ کس حد تک ذہین ہیں... اور اب میں ان کی ذہانت کا لوہا مان گیا ہوں۔"

"لوہا... یہاں لوہا کہاں سے آکودا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن دادا جان... یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی... جس کمرے کو آپ اس حد تک چھپا کر رکھتے رہے... خود اس خط کے ذریعے انہیں دکھا دیا... اور ہمیں بھی دکھا دیا۔"

"ہاں! اب میں خود تنگ آ گیا تھا... میں نے بہت کوشش کی... کہ کسی طرح اس قاتل کو تلاش کر سکوں... اور تلاش کر کے اپنے ہاتھوں سے اسے موت کے گھاٹ اتار سکوں... لیکن میں کامیاب نہ ہو سکا... لہٰذا تنگ آ کر میں نے ان لوگوں سے مدد لینے کا پروگرام بنایا... اس طرح اگرچہ میری حسرت تو پوری نہیں ہو گی، کیونکہ میں اسے خود گولی مارنے کا خواہش مند ہوں... لیکن جب یہ لوگ اس تک پہنچیں گے تو اسے گرفتار کریں گے... پھر مقدمہ چلے گا... اور سزا سنائی جائے گی... اس طرح میری حسرت دل میں رہ جائے گی... لیکن اب میں تنگ آ چکا ہوں... اس قاتل کو تلاش کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"جب کہ کام ذرا بھی مشکل نہیں۔" محمود مسکرایا۔

"کیا کہا آپ نے ذرا بھی مشکل نہیں۔"

"ہاں! اس لیے کہ یہ ہمارا روز کا کام ہے... ہم ایک آدھ دن میں قاتل کو گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر سکتے ہیں... نن نہیں... میرا مطلب ہے... قانون کے حوالے۔"

"بہت خوب! میں اس پر صبر کر لوں گا... اور یہ سوچا کروں گا کہ چلو قاتل آزاد تو نہیں پھر رہا ہے... ہے تو جیل کی سلاخوں کے پیچھے... اور اگر عدالت نے اسے پھانسی کی سزا سنا دی تو اس صورت میں مجھے کوئی حسرت نہیں رہ جائے گی... تاہم دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ لوگ عدالتوں میں وکیلوں کے چکروں سے بچ جاتے ہیں... کم سے کم سزائیں ملتی ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں... اگر ہم کیس کے مجرم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے... تو اس صورت میں اسے سستا نہیں چھوڑیں گے اور عدالت سے بھی اسے سخت سزا دلوائیں گے... اس لیے وہ ایک آدمی کا قاتل تو ہے نہیں... اس نے تو ایک خاندان کے تمام مردوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا ہے... لیکن۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

"لیکن کیا؟"

"لیکن... سوال یہ ہے... آپ کے بزرگوں سے آخر اس قاتل کو تکلیف کیا پہنچی ہے... کوئی بلاوجہ قاتل نہیں بن جاتا... اس کے ساتھ کوئی بہت بڑی زیادتی ہوئی ہے... جس کی بنیاد پر وہ قاتل

ملا۔"

"آپ کا مطلب ہے... قاتل کا باپ۔"

"ہاں! پہلا قاتل موجودہ قاتل کا باپ ہی رہا ہوگا... اس نے مرتے وقت وصیت کی ہوگی کہ وہ اس خاندان کے کسی مرد کو زندہ نہ چھوڑے۔"

"ایسا ہی لگتا ہے... لیکن وہ کیا ظلم تھا... کیا زیادتی تھی... اس بارے میں مجھے بالکل کچھ معلوم نہیں کیونکہ یہ کہانی میرے دادا کے قتل سے شروع ہوئی تھی... بلکہ ان کے بھائیوں کے قتل سے.. کسی نے میرے دادا اور ان کے تینوں بھائیوں کو زہر دے دیا تھا اور وہ وہ ایک رات میں ساتھ ہی ختم ہو گئے تھے... اس وقت کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی... کہ قتل کا یہ سلسلہ تو ابھی شروع ہوا ہے... ابھی یہ جاری رہے گا... اس بات کا اندازہ اس وقت ہوا... جب میرے والد کے بھائی ایک روز قتل ہوئے... ان کا قتل بھی بالکل اسی طرح اسی زہر سے ہوا تھا۔"

"یہ کیسے معلوم ہوا...؟"

"ڈاکٹر صاحب نے آکر معائنہ کیا تھا... انہوں نے دیکھ کر بتایا کہ ان کی موت زہر سے ہوئی ہے، ساتھ ہی انہوں نے چونک کر کہا تھا کہ آپ کے دادا جان اور ان کے بھائیوں کی موت بھی اسی زہر سے ہوئی تھی..."

"کیا مطلب... کیا اس وقت بھی وہی ڈاکٹر صاحب تھے...

ان کی عمر؟"

"ہاں! ان کی عمر بہت زیادہ ہے... وہ ہمارے خاندانی ڈاکٹر ہیں... لہٰذا ہم اب بھی ان سے ہی علاج کرانا پسند کرتے ہیں... وہ اس وقت سو سال کے لگ بھگ ہیں... پھر بھی صحت مند ہیں... ترو تازہ لگتے ہیں... ان کی ایسی صحت دیکھ کر لوگ ان سے علاج کرانا پسند کرتے ہیں... اور ہمارے تو وہ خاندانی ڈاکٹر ہیں۔"

"ان کا نام؟"

"ڈاکٹر فاخر مختاری۔"

"محمود ان کا نام پتا نوٹ کر لو... شاید ہمیں ان سے کوئی مدد مل سکے۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا اور نواب جاری سے پتا معلوم کر کے نوٹ بک میں لکھ لیا۔

"آپ ایک بات اچھی طرح ذہن میں بٹھالیں۔"

"اور وہ کیا؟"

"قاتل کے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی ضرور ہوئی ہے... اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ آپ کے دادا جان نے اس کے کسی عزیز کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہو اور دادا جان کے خلاف پولیس کو کوئی ثبوت نہ مل سکا ہو... لہٰذا اس نے خود انتقام لینے کی ٹھانی ہو۔"

"اس طرح تو وہ صرف دادا جان کو قتل کرتا... ان کے بھائیوں کو قتل کی وجہ تو ذہن میں نہیں آتی اور میرے والد اور اس

کے بھائیوں کو قتل کرنے کی وجہ تو اور زیادہ دور دور تک نظر نہیں آتی۔" نواب جاری نے منہ بنایا۔

"خیر... ہم ذرا پہلے ایک حساب لگا لیں... آپ یہ بتائیں... دادا کا قتل کب ہوا تھا۔"

"آج سے ۷۵ سال پہلے۔"

"اور آپ کے والد کا۔"

"آج سے ۵۰ سال پہلے... میں ان دنوں بالکل بچہ تھا..."

"گویا آپ کے دادا کے قتل کے ۲۵ سال بعد اس نے پھر وار کیا..."

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اور اس کے بعد ۵۰ سال تک وہ خاموش رہا... اب پھر اس نے اپنی کوشش شروع کی ہے۔"

"یہ... یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟" نواب جاری اچھل پڑے۔

"اگر قاتل نے کوئی کوشش نہ کی ہوتی... تو آپ کو مجھے خط لکھنے کا خیال تک نہ آتا... ظاہر ہے... اس نے کوئی کوشش کی ہے... لیکن آپ بال بال بچ گئے... اور آپ نے غور کرنے کے بعد مجھے خط لکھنے کا فیصلہ کیا... لیکن خط بھی بہت پر اسرار انداز میں لکھا۔"

"ہاں! یہی بات ہے... اب آپ سے کیا چھپانا۔"

"تب پھر اس کیس میں سب سے زیادہ مدد ہمیں ڈاکٹر فاخر

عثاری سے مل سکتی ہے... ہم تصاویر کا یہ البم ساتھ لے جا رہے ہیں.. اس میں آپ کے دادا جان... ان کے بھائیوں اور آپ کے والد اور ان کے بھائیوں کی تصاویر موجود ہیں... لہٰذا ہم جب یہ تصاویر ڈاکٹر صاحب کو دکھائیں گے... تو وہ ہمیں تفصیلات سنائیں گے... اور ہم یہ تفصیلات اس البم کے حاشیے پر نوٹ کریں گے... اس طرح ہمیں آسانی ہو گی... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں... بالکل نہیں... میں تو بس یہ چاہتا ہوں... قاتل پکڑا جائے۔"

"آپ کھانے کی ہر چیز پہلے کسی جانور کو کھلائیں... پھر خود کھائیں... بلکہ بہتر یہ رہے گا کہ آپ خود اپنے ہاتھ سے ہر چیز تیار کر کے کھائیں... اپنے گھر کی کسی عورت کے ہاتھ کی چیز بھی نہ کھائیں۔"

"کک... کیا مطلب..." وہ چونکے۔

"آپ کو کس بات پر حیرت ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"آپ کا کیا مطلب ہے... کیا ہمارے خاندان کی کسی عورت کا کام ہے یہ۔"

"ہاں! بالکل۔" وہ مضبوط لہجے میں بولے۔

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔" نواب جاری نے زرد پڑتے ہوئے کہا۔

"خاندان کے صرف مرد حضرات کو قتل کیا گیا ہے... کسی

عورت کو نہیں... تب پھر ہو سکتا ہے... دادا جان نے خاندان کی کسی
عورت کے ساتھ کوئی ظلم کیا ہو... اپنی کسی بہو کے ساتھ... یا بہو
کے کسی رشتے دار کے ساتھ۔"
"اوہ... اوہ۔" وہ زور سے چونکے۔
"کیوں... کیا کوئی بات یاد آگئی ہے۔"
"آپ کے خیال دلانے پر ایک بہت اہم بات یاد آئی ہے۔"
انہوں نے پرجوش انداز میں کہا۔
"واہ... تب تو آگیا مزا... جلدی بتائیں۔"
"میری والدہ دادا جان سے سخت نفرت کرتی تھیں... وجہ
مجھے معلوم نہیں... لیکن میں نے بچپن میں اس چیز کو صاف محسوس کیا
تھا۔"
"تب پھر... یہ کام آپ کی والدہ کا بھی ہو سکتا ہے۔"
"آپ کا مطلب ہے... دادا جان کا قتل؟"
"ہاں! اور کیا۔"
"نہیں نہیں... وہ ایسی عورت نہیں تھیں۔"
"خیر... ہم مان لیتے ہیں... وہ ایسی عورت نہیں تھیں...
یعنی ان میں کسی کو قتل کرنے کی ہمت نہیں تھی... لیکن ان کے
گھرانے کا کوئی اور فرد ان پر ظلم برداشت نہ کر سکا اور اس نے دادا
جان کو قتل کر دیا..."
"میں... میں کہہ نہیں سکتا... ویسے یہ باتیں سننے کے بعد

مجھے عجیب سا احساس ہو رہا ہے... ایسا لگتا ہے... جیسے کوئی بہت اہم
بات میرے ذہن میں گردش کر رہی ہے... اب اگر وہ بات مجھے یاد
آجاتی ہے تو شاید معمہ حل بھی ہو جائے۔"
"یہ معمہ ہم ڈاکٹر مختاری کے ذریعے حل کریں گے... آپ
فکر نہ کریں... اگر وہ آپ کے خاندانی ڈاکٹر ہیں... تب تو پھر انہیں
بے شمار باتیں معلوم ہوں گی... لہٰذا آپ ذہن دوڑاتے رہیں... یاد
کرنے کی کوشش کرتے رہیں... ہم ذرا مختاری صاحب سے مل آتے
ہیں..."
"لیکن ابا جان، میں یہاں ایک الجھن محسوس کر رہی
ہوں۔" فرزانہ بول اٹھی۔
"اور وہ کیا؟"
"اگر قاتل ان کی والدہ تھیں... تو اب کون ایسی کوشش
کر سکتا ہے... ان کی والدہ تو فوت ہو چکی ہیں۔"
"ہو سکتا ہے... وہ آگے کسی کو وصیت کر گئی ہوں... کہ
میرے بعد یہ کام کرنا ہے... یہ انتقامی جذبہ بھی بہت خوفناک چیز
ہے... ہم اس جذبے کی گہرائی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے...
آؤ بھئی چلیں۔"
وہ اٹھ کھڑے ہوئے... سب پر ایک عجیب سی کیفیت
طاری تھی... باہر آتے ہی محمود نے کہا:
"اف مالک! میں کس قدر بے چینی محسوس کر رہا ہوں...

میں چاہتا ہوں... جلد از جلد معلوم کر لوں، قاتل کون ہے۔"

"جب کہ ہم شاید آسانی سے محسوس نہ کر سکیں... کیس ۷۵ سال پرانا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نکلے گا یہ انتقام کا ہی کیس۔" فرزانہ بولی۔

"اور اس پر ڈاکٹر عتاری ضرور روشنی ڈالیں گے۔"

"امید تو ہے۔"

پھر وہ جونہی ڈاکٹر عتازی کے کلینک کے سامنے پہنچے... انھیں ایک زور دار جھٹکا لگا... کلینک کے دروازے پر ایک ایسا شخص موجود تھا جسے وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

☆...☆...☆

ہمارے کارڈز دیکھئے

"سردار اشرف... یہ... یہ آپ ہیں۔" انسپکٹر جمشید مارے حیرت کے پکار اٹھے۔

سردار اشرف اپنی کار کی طرف بڑھ رہے تھے... جب یہ الفاظ ان کے منہ سے نکلے... وہ زور سے چونکے اور ان کی طرف مڑے:

"اوہو... آپ لوگ... آپ... میرا مطلب ہے... آپ یہاں کیسے۔"

"یہی سوال ہم آپ سے کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا مطلب... ایک مریض تو اپنے ڈاکٹر کے پاس آیا ہی کرتا ہے... اس میں حیرت کی کیا بات ہے بھلا۔"

"تو ڈاکٹر فاخر عتاری آپ کے ڈاکٹر ہیں۔"

"صرف میرے نہیں... میرے پورے خاندان کے ڈاکٹر ہیں۔"

"ہوں اچھا خیر... ہمارے لیے دراصل یہ بات عجیب اس لیے ہے کہ ابھی کچھ وقت پہلے ہی ہم نے آپ کے پاس آنے کے

بارے میں سوچا تھا... اس وقت صرف دو نام ذہن میں آئے تھے... ایک آپ کا... ایک نواب جاری کا۔"

"کیا کہا... نواب جاری کا... اس کا میرے سامنے نام نہ لیں۔"

"کک.. کیا مطلب... کیا آپ کا ان سے کوئی جھگڑا ہے۔"

"کوئی ایسا ویسا... میں تو ان کا خاندانی دشمن ہوں۔"

"نن... نہیں۔" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"کیا مطلب... کیا ہو گیا آپ لوگوں کو۔" ان کے لہجے میں تھی۔

"کیا آپ ہمیں کچھ وقت دیں گے۔"

"ڈاکٹر صاحب کے کلینک کے کسی کمرے میں بیٹھ جاتے ہیں... کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے... اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو... یوں بھی ہمیں ان سے ملاقات کرنا ہے۔"

"انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"پھر بھی ان سے اجازت لے لیں۔"

"آیئے... پہلے ہم ان سے ہی علیک سلیک کر لیں... میرا مطلب ہے... آپ کی ان سے علیک سلیک کرا دوں۔" وہ مسکرا دیے۔

سب لوگ اندر داخل ہوئے... ڈاکٹر صاحب اپنے کمرے میں اب اکیلے تھے... اور کسی گہری سوچ میں گم... انہیں ان کے

داخل ہونے کا پتا بھی نہ چلا۔

"معاف کیجیے گا ڈاکٹر صاحب۔" سردار اشرف بولے۔

"معاف کیا... تشریف رکھیں اور بتایئے... آپ کو کیا تکلیف ہے۔"

"یہ میں ہوں عثاری صاحب... آپ کہاں گم ہیں۔" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

ڈاکٹر عثاری زور سے چونکے... جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئے ہوں۔

"اوہ... شاید... مجھے اونگھ آ گئی تھی۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے... ہم سمجھے تھے... آپ گہری سوچ میں گم ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"کک... کون... آپ کون لوگ ہیں... اوہو... سردار صاحب آپ بھی ان کے ساتھ ہیں۔"

"لیکن جناب! آپ کے لیے ہم اجنبی نہیں ہو سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

اوہ... اوہ... یہ تو انسپکٹر جمشید ہیں... ارے باپ رے... ادھر پروفیسر داؤد بھی ہیں اور... اور یہ ہیں... خان رحمان... آیئے آیئے تشریف رکھیے۔"

"ابھی نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلایا۔

"ابھی نہیں... کیا مطلب... کیا آپ مجھ سے ملنے کے لیے

نہیں آئے۔"

"بے شک آئے ہیں... لیکن راستے میں ملاقات ہو گئی... سردار اشرف صاحب سے... لہٰذا پہلے ہم ان سے ملاقات کریں گے۔"

"سردار اشرف! یہ اچھی بات نہیں... آپ نے میرے مہمانوں کو راستے سے اچک لیا۔"

"عارضی طور پر۔" وہ مسکرائے۔

"کیا کہا... عارضی طور پر۔"

"ہاں! ڈاکٹر صاحب... یہ تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں... پھر یہ آپ کے پاس آئیں گے۔"

"لیکن میرا کلینک کا وقت ختم ہو چکا ہے۔"

"کیا آپ ہمارے لیے تھوڑی دیر کے لیے انتظار نہیں کر سکتے۔"

"نہیں... میرا ایک اصول ہے... وقت ختم ہونے کے بعد میں ایک منٹ بھی کلینک میں نہیں بیٹھوں گا... اب جسے ملاقات کرنا ہے... وہ گھر پر آئے۔"

"ٹھیک ہے... آپ گھر کا پتا نوٹ کرادیں... ہم سردار اشرف صاحب سے مل کر ابھی آجائیں گے۔"

"کیا آپ کو مجھ سے کوئی خاص کام ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"جی ہاں! بہت زیادہ خاص۔"

"تب تو پھر آپ کو گھر ہی آنا ہوگا... خاص کام میں کچھ وقت تو لگے گا اور میں یہاں ٹھہر نہیں سکتا... اس لیے جو وقت میرا گھر میں موجود رہنے کا طے ہے... اس وقت میں گھر میں ہی مل سکتا ہوں۔"

"یہ اچھی بات ہے... ہم خود ایسے ہی اصولوں کے قائل ہیں... آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔"

"اور کیا ہم یہاں بیٹھ کر آپس میں بات چیت کر سکتے ہیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں... اب پورا کلینک خالی ہے... میرے جانے کے بعد یہاں کوئی نہیں آئے گا... صرف ایک ملازم کلینک میں رہ جائے گا۔"

"شکریہ جناب۔"

وہ ایک کمرے میں آبیٹھے... اب وہ سردار اشرف کی طرف مڑے:

"یہ کس قدر عجیب بات ہے... کہ نواب جاری کے بھی خاندانی ڈاکٹر مختاری صاحب ہیں اور آپ کے بھی... جب کہ آپ کی آپس میں دشمنی ہے۔"

"آپس میں دشمنی کا ڈاکٹر صاحب سے کوئی تعلق نہیں۔"

"آپ میں اور نواب جاری میں دشمنی ہے کیا۔"

"اصل میں ہم ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں... کسی

زمانے میں یہ خاندان ایک بڑی جاگیر کا مالک تھا... پھر اس جائیداد کو تقسیم کر لیا گیا... اس طرح پھر خاندان الگ ہو گیا... دو حصوں میں بٹ گیا... یہی وجہ ہے کہ مجھے نواب جاری سے نفرت ہے۔"

"کیا مطلب... کون سی وجہ کی بات کر رہے ہیں آپ۔"

"جائیداد کی تقسیم نے مجھے نفرت میں مبتلا کر دیا تھا... اگرچہ یہ معاملہ ہمارے دادا جانوں کے زمانے میں پیش آیا تھا۔"

"تب تو پھر آپ کی نفرت بے جا ہے۔"

"ہو سکتا ہے... لیکن میں پھر بھی ان سے نفرت محسوس کرتا ہوں۔"

"کہیں آپ کے والد بھی تو نواب جاری کے والد سے نفرت نہیں کرتے تھے اور آپ کو یہ نفرت ان کی طرف سے ملی ہو۔"

"اوہ... اوہ..." وہ چونک اٹھا۔

"کیا مطلب... کیا یہی بات ہے۔"

"سو فیصد یہی بات ہے۔"

"گویا آپ کے والد نواب جاری کے والد سے نفرت کرتے تھے..."

"اس میں شک نہیں۔"

"اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی وجہ سے جائیداد تقسیم ہوئی تھی۔"

"ان کی وجہ سے نہیں... ان کے والد کی وجہ سے... یعنی

نواب جاری کے دادا جان کی وجہ سے... جائیداد نواب جاری کے دادا نے تقسیم کرائی تھی... میرے دادا کو ان کا یہ فعل بہت ناگوار گزرا تھا۔"

"اوہ... اوہ۔" وہ گویا اچھل پڑے۔

"کیا ہوا... آپ یہ سن کر اچھل کیوں پڑے۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نواب جاری کے دادا جان کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔"

"کیا... نہیں۔" سردار اشرف بری طرح اچھلے... ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"کیوں! کیا ہوا... آپ ڈر گئے۔"

"یہ... یہ میں نے بہت خوفناک بات سنی ہے۔"

"اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ نواب جاری کے والد صاحب کو بھی کسی نے قتل کیا تھا۔"

"نن... نہیں۔" وہ اور زور سے چلائے۔

"اور آپکو یہ بھی بتاتا چلوں... قاتل نے صرف ان کے دادا کو ہی نہیں ان کے دادا کے تین بھائیوں کو بھی قتل کیا تھا۔"

"اوہ نہیں۔"

"اوہ رب... نواب جاری کی زندگی میں خطرے میں ہے... کوئی انہیں بھی قتل کرنا چاہتا ہے... قاتل نے ان کے والد کو ہی نہیں... ان کے چچاؤں کو بھی قتل کیا تھا۔"

"اف مالک! آپ تو میرے پیروں کے نیچے سے زمین سرکائے دے رہے ہیں..." سردار اشرف کانپ گئے۔

"تو آپ زمین کو نہ سرکنے دیں نا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

انہوں نے فاروق کو ایسے انداز میں دیکھا... جیسے وہ کوئی پاگل ہو اور پہلی بار اس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

"جہاں تک میری معلومات ہیں... ان کے خاندان میں کسی کو قتل نہیں کیا گیا... نہ نواب جاری کے دادا جان اور ان کے بھائیوں کو... نہ ان کے والد اور والد کے بھائیوں کو... آخر آپ سے یہ خوفناک بات کس نے کہہ دی۔" سردار اشرف ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"خود انہوں نے ہی یہ بات بتائی ہے..."

"حیرت ہے... کمال ہے... آخر یہ بات اخبارات میں کیوں نہیں آئی... کیا یہ کوئی چھوٹی سی بات تھی۔"

"اس زمانے کے اخبارات میں ضرور آئی ہو گی... یہ کوئی آج کی خبر تو ہے نہیں۔"

"لیکن اگر یہ اس زمانے کے اخبارات میں آئی تھی... تو مجھے کیوں یاد نہیں۔"

"ہر عمر کے بچے اور بڑے اخبارات نہیں پڑھتے... نہ ہر عمر کے بچوں اور بڑوں کے شوق ایک جیسے ہوتے ہیں... مثلاً آج کے بچوں میں جو کرکٹ کے شوقین ہیں... وہ اخبار کی بڑے سے بڑی ملکی

قومی خبر پڑھنا پسند نہیں کریں گے۔ فوراً اس جگہ سے اخبار کو کھولیں گے جہاں کھیلوں کی خبریں دی جاتی ہیں... اور بس کھیلوں کی خبروں میں ڈوب جائیں گے.. باقی اخبار کو ایک نظر بھی نہیں دیکھیں گے... کیا ایسا روزمرہ دیکھنے میں نہیں آتا۔"

"اس میں تو خیر شک نہیں۔" وہ بولے۔

"بس تو پھر... اس زمانے کے اخبارات میں خبر ضرور شائع ہوئی ہو گی... آپ نے نہیں پڑھی ہو گی۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں... پہلے تو یہ بتائیں۔" سردار اشرف نے پرسکون آواز میں پوچھا۔

"ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے... اتنا ہے کہ اس کیس میں سب سے زیادہ شک آپ پر جاتا ہے... وہ آپ ہی ہو سکتے ہیں... جو اس خاندان کے ہر فرد کو قتل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔"

"نہیں نہیں... میں قتل جیسے خوفناک جرم کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا... ہاں! اتنا ہے... میں اس خاندان سے نفرت کرتا ہوں... بھرپور نفرت۔"

"اچھی بات ہے... اب ہم ڈاکٹر صاحب کے گھر جائیں گے... اس کیس میں ہمیں ان پر بھی شک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ارے نہیں.. وہ ایسا کام کیوں کرنے لگے... نہ اس معاملے سے ان کا کوئی تعلق ہے۔"

"لیکن کوئی ان سے ایسا کام لے ضرور سکتا ہے ... مثلاً آپ۔"

"کیا!!!" وہ زور سے چیخے۔

"ہاں! بالکل... فرض کیا... آپ ڈاکٹر صاحب کو پیش کش کریں کہ اتنے لاکھ لے لیں اور اس گھرانے کے فلاں فلاں شخص کو زہر دے دیں... تو ایک ڈاکٹر کے لیے یہ بہت آسان کام ہو گا۔"

"توبہ توبہ... آپ تو بہت غلط سوچ رکھتے ہیں۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"اس میں ہمارا قصور نہیں... ہمیں مجرموں کو پکڑنا ہوتا ہے... لہٰذا ہم ہر شخص کے بارے میں اندازہ لگاتے ہیں... غور کرتے ہیں... کہ کون کون مجرم ہو سکتا ہے... اور کون نہیں ہو سکتا... اچھا اب اجازت۔"

"آپ مجھے فکر میں مبتلا کر کے جا رہے ہیں۔"

"اگر آپ مجرم نہیں ہیں تو آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر آپ مجرم ہیں تو پھر آپ کو فکر کرنے کی ضرورت ہے... ویسے ہم اس کیس کے مجرم کو اب چھوڑیں گے ہرگز نہیں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"ہاں! اللہ واقعی اپنا رحم فرمائے گا... لیکن قاتل کے لیے نہیں... اس پر تو اللہ کا غضب نازل ہو گا۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس پر بھی ظلم ہوا ہو۔"

"اگر اس پر ظلم ہوا تھا تو وہ عدالت میں جاتا... ظلم کے کرنے والوں کو قتل کرنے کا حق اسے کس نے دیا۔"

"ہوں... خیر... مجھے اس سے کیا... میرا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں... لیکن ہے... تو صرف نفرت کا۔"

وہ جانے کے لیے اٹھے ہی تھے کہ سردار اشرف کے ہاتھ سے کوئی چیز فرش پر گری...

اس سے پہلے کہ وہ دیکھ سکتے... کیا چیز گری ہے... وہ تیزی سے جھکے اور اس چیز کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا...

"یہ کیا چیز گری تھی... ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کوئی سکہ گرا ہو۔"

"نہیں... وہ کوئی سکہ نہیں تھا۔"

یہ کہہ کر سردار اشرف تیزی سے باہر کی طرف چلے۔

"ایک منٹ... آپ ہمیں دکھا دیں... یا بتا دیں... وہ کیا چیز تھی۔"

"ہے کوئی تک... آپ کا بھلا اس چیز سے کیا تعلق۔"

"تعلق ہو یا نہ ہو... آپ نے مجھ سے چھپانے کی کوشش کی ہے۔"

"میں وہ چیز آپ کو نہیں دکھا سکتا... میں کوئی جرائم پیشہ نہیں ہوں کہ آپ میری تلاشی لینے لگے... اگر آپ میری تلاشی لینا چاہتے ہیں تو آپ کو تلاشی کا وارنٹ لانا ہو گا۔"

"آپ اس خیال میں ہیں کہ ہم فوری طور پر وارنٹ دکھا نہیں سکتے... لہٰذا آپ اس چیز کو چالے جائیں گے۔"

"کیا مطلب۔" وہ چونکے۔

"وارنٹ ہر وقت میری جیب میں رہتا ہے... محمود... تم وارنٹ نکال کر انہیں دکھا دو۔"

"جج... جی... کیا مطلب... ابا جان... آپ کی جیب میں ان کے نام کا وارنٹ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔" محمود بوکھلا اٹھا۔

"اوہو... ہو سکتا ہے یا نہیں... تم نکال کر دکھا دو۔"

"شاید آپ کا دماغ چل گیا ہے... آپ کی یہاں مجھ سے ملاقات اتفاقی طور پر ہوئی ہے... آپ تو دراصل ڈاکٹر مختاری سے ملنے آئے تھے... پھر بھلا میرے خلاف وارنٹ آپ کی جیب سے کیسے برآمد ہو سکتے ہیں۔"

"آپ میری جیب کا کمال دیکھیں بس۔" یہ کہہ کر وہ مسکرا دیے۔

ایسے میں محمود نے ان کی جیب سے کاغذ نکالا اور اس پر ایک نظر ڈالی... فوراً اس نے جیب سے قلم نکالا اور کاغذ پر سردار اشرف کا نام لکھا اور ان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ رہے وارنٹ آپ کے نام کے۔"

"آپ نے اس پر نام میرے سامنے لکھا ہے۔"

"تو کیا ہوا... حکومت نے مجھے ایسے وارنٹ دے رکھے

ہیں... آپ کو کیا اعتراض ہے۔"

"کک... کوئی نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا اور پھر وارنٹ دیکھنے لگے... جب پڑھ چکے تو تھکی تھکی آواز میں بولے۔

"ٹھیک ہے... اب میں مجبور ہوں... یہ لیں... دیکھ لیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سکہ نما کوئی چیز ان کی طرف بڑھا دی۔ انہوں نے اس کو ہاتھ میں لے کر الٹ پلٹ کر دیکھا... وہ بالکل سکے جیسا تھا... لیکن اس پر سکے جیسی تصویر یا الفاظ نہیں تھے... بلکہ اس کے ایک طرف ابھرتے سورج کی تصویر تھی... دوسری طرف ایک خون آلود تلوار بنی ہوئی تھی... وہ اس کو دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"یہ... یہ کیا چیز ہے۔" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔" سردار اشرف بولے۔

"آپ نہیں جانتے... یہ آپ کے ہاتھ میں ہے... اور آپ اس کے بارے میں نہیں جانتے۔"

"یہی بات ہے۔"

"مہربانی فرما کر اس کی وضاحت کریں گے پھر... یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا۔"

"میں ایک ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا..."

"کیا کہا... آپ اور ہوٹل میں کھانا کھا رہے تھے... کیا یہ

بات عجیب نہیں۔"

"نہیں... کبھی کبھی میں اس ہوٹل میں چلا جاتا ہوں... اس کے کھانے بہت مزے دار ہوتے ہیں... ایک صاحب میرے ساتھ والی میز پر کھانا کھا رہے تھے، وہ مجھ سے پہلے سے ہوٹل کی اس میز پر موجود تھے... لہٰذا پہلے وہی فارغ ہوئے... وہ اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف گئے... اپنا بل ادا کیا اور باہر نکل گئے... ان کے جانے کے بعد میری نظریں ان کی کرسی کے نیچے فرش پر پڑیں... وہاں یہ پڑا تھا... میں نے اٹھ کر اس کو اٹھا لیا۔ اس وقت میں یہی سمجھا تھا... یہ کوئی سکہ ہے اور بیرے کو دے دوں گا... وہ اس کو رکھ لے گا... لیکن جب میں نے اس کو دونوں طرف سے دیکھا تو حیران ہوا... کہ یہ کیا چیز ہے... اس روز سے یہ میری جیب میں ہی ہے... لہٰذا میں نہیں جانتا یہ کیا ہے۔"

"کہانی آپ نے اچھی سنائی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب... کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ میں نے جھوٹی کہانی سنائی ہے۔"

"جی ہاں... معاف کیجئے گا... اگر بات صرف اتنی سی تھی تو آپ نے اس سکے کو دکھانے سے انکار کیوں کیا... یہاں تک کہ پہلے وارنٹ کا مطالبہ کیا۔

"اوہ ہاں... یہ ہے... لیکن میں اس الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ آپ اس سکے کو دیکھ کر مجھ پر بلاوجہ شک کریں گے۔"

"وہ تو ہم اب بھی کر رہے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

اس نے فاروق کو گھورا، پھر بولا:

"سکے کی کہانی اتنی ہی ہے.. آپ یقین کریں یا نہ کریں... اگر یہ کہانی جھوٹی ہے تو پھر اس سکے کی بنیاد پر آپ مجھ پر کیس کر دیں گے۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"آپ کون سے ہوٹل میں گئے تھے بھلا۔" فرزانہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہوٹل نشان... شافی روڈ۔"

"اور اس شخص کا حلیہ کیا تھا... جس کی میز کے نیچے سے آپ کو یہ سکہ ملا تھا۔"

"اس کا حلیہ... ہاں میں بتا سکتا ہوں... کیونکہ میں کئی منٹ تک اس کی طرف دیکھتا رہا ہوں... اور اس کی بھی ایک وجہ ہے... یہ کہ وہ عجیب و غریب عادات کا مالک تھا... بار بار میز پر ہاتھ مار رہا تھا... بار بار سر کھجلا رہا تھا... یا پھر اچانک سر اٹھا کر چاروں طرف اس طرح دیکھتا تھا کہ جیسے اس پر کسی طرف سے حملہ ہونے والا ہو... بہر حال آپ اس کا حلیہ نوٹ کر لیں... وہ لمبے قد کا آدمی تھا... گول چہرہ، نیلی آنکھیں، سنہری بال... کیا یہ حلیہ کافی رہے گا۔"

"بہت زیادہ... آپ ذرا ایک منٹ کے لیے ٹھہر جائیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب کیا رہ گیا؟" انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

"محمود... شروع ہو جاؤ۔"

"جی کیا فرمایا... شروع ہو جاؤں۔"

"ہاں ہاں جلدی کرو... میں نے ان سے صرف ایک منٹ کی مہلت لی ہے۔"

"جی اچھا... ایک منٹ کی مہلت بہت کافی ہے... شکریہ۔" اس نے کہا۔

پھر وہ کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ گیا... اس کا ہاتھ بہت تیزی سے حرکت کرنے لگا... آخر ٹھیک ایک منٹ بعد اس نے کاغذ سردار اشرف کے سامنے کر دیا۔

"یہی ہے وہ سکے والا۔"

"اوہ... اوہ اوہ۔" سردار اشرف اچھل ہی تو پڑے... آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں... پھر وہ بولے۔

"کک... کیا آپ لوگوں نے اسے پہلے دیکھ رکھا ہے۔"

"نہیں... آپ سے حلیہ سن کر یہ تصویر بنائی ہے۔"

"حیرت ہے... کمال ہے۔" وہ بولے۔

"اگر ہم میں سے کوئی یہ جملہ کہتا تو یوں کہتا... حیرت ہے، کمال ہے، افسوس ہے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ بس... اس بات کو چھوڑیں کہ یہ کیا بات ہوئی... اور اب ہم اجازت چاہیں گے... ہمیں ہوٹل نشان پہنچنا ہے۔"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ آج ہی ہوٹل میں مل جائے... یا

اس وقت مل جائے۔" سردار اشرف نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں... ہم اس کام کے لیے کافی ہیں۔" فاروق مسکرا دیا۔

"کس کام کے لیے؟"

"پریشان ہونے کے لیے۔"

"حد ہو گئی۔" وہ جھلا کر رہ گئے...

آخر وہ وہاں سے نکل آئے... سردار اشرف فکر مند انداز میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے... انہوں نے اپنی گاڑی کی طرف کا رخ کر لیا۔

"پروفیسر صاحب اور خان رحمان صاحب... آپ اگر آرام کرنا چاہیں... تو گھر جا سکتے ہیں... ہمیں تو اب واقعی ہوٹل نشان جانا پڑے گا۔"

"اب ہم کیا خاک آرام کریں گے... اس قدر تو سسپنس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے برا سا منہ بنایا... وہ مسکرا دیے۔

آخر وہ ہوٹل نشان پہنچ گئے... انہوں نے دیکھا... وہ ایک اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا... گویا وہاں صرف مال دار لوگ ہی کھانا کھانے یا ٹھہرنے کے لیے آتے ہوں گے... کار پارک کر کے وہ ہوٹل کے دروازے پر پہنچے... لیکن بیروں نے ان کا راستہ روک لیا۔

"آپ کے کارڈز؟"

"کیسے کارڈز۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"داخلہ کارڈز... ہمارے ہوٹل میں داخلہ صرف کارڈوں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔"

"ہم یہاں کھانا کھانے نہیں آئے... نہ کرائے کے کمرے لینے کے لیے آئے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"تب پھر؟"

"ہمارا تعلق پولیس سے ہے.. لہٰذا آپ اپنے نہیں... ہمارے کارڈز دیکھیے۔" انسپکٹر جشید مسکرائے۔

ان کے کارڈز دیکھ کر بھی بیروں کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔

"آپ اس طرف جائیں... وہاں استقبالیہ ہے... آپ کے یا تو کارڈز بنیں گے یا آپ کو خصوصی اجازت نامہ دیا جائے گا۔"

"وہ تو ہمارے پاس پہلے ہی ہے۔"

"کیا مطلب... آپ کے پاس ہمارے ہوٹل کا خصوصی اجازت نامہ پہلے ہی موجود ہے... تب پھر آپ نے دکھایا کیوں نہیں۔"

"دراصل ہمارے پاس اپنا خصوصی اجازت نامہ ہے۔"

انہوں نے منہ بنایا۔

"آؤ بھی۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

وہ استقبالیہ کی طرف بڑھے... وہاں انہوں نے اپنے کارڈز دکھا کر اجازت نامہ حاصل کیا... تب کہیں جا کر وہ اندر داخل ہوئے اور سیدھے کاؤنٹر پر پہنچے... یہاں پھر انہوں نے اپنے کارڈز دکھائے

... کارڈز دیکھ کر کاؤنٹر پر بیٹھے تین آدمی فکر مند ہو گئے۔

"آپ کیا چاہتے ہیں جناب۔"

"ذرا اس تصویر کو دیکھیں۔" انسپکٹر جمشید نے محمود کی بنائی ہوئی ان کے سامنے کر دی۔

تصویر دیکھ کر انہیں جھٹکا سا لگا... لیکن فوراً ہی انہوں نے حیرت کے آثار ختم کر دیے اور ایک نے کہا:

"چہرہ دیکھا ہوا سا ہے... غالباً یہ صاحب ہمارے ہوٹل میں آتے جاتے ہیں۔"

"گویا آپ انہیں خاص طور پر نہیں جانتے... ان کا نام بھی نہیں بتا سکتے۔"

"نہیں... بالکل نہیں۔"

ایسے میں خان رحمان ہوٹل کے ہال میں بیٹھے لوگوں پر نظریں دوڑا رہے تھے... اچانک ان پر جوش طاری ہو گیا۔

"جمشید... وہ... وہ رہا۔"

"کک... کیا کہا... جمشید وہ رہا... میں وہ نہیں... یہ رہا۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"میرا مطلب ہے... تصویر والا شخص وہ رہا۔"

سب یک دم اس کی طرف گھوم گئے... ان کی نظریں اس شخص پر جم گئیں... وہ واقعی وہی تھا۔

"کیوں جناب! آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا... ہال میں بیٹھے ہر شخص کا چہرہ ہماری نظروں میں نہیں ہوتا۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"آؤ بھئی۔" انہوں نے جھلا کر کہا اور اس کی طرف قدم اٹھانے لگے۔ پھر وہ جونہی اس کے نزدیک پہنچے... وہ اس طرح اٹھا گویا جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"خبردار... آپ نہیں جا سکتے۔"

وہ بہت اونچا اچھلا... اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

☆...☆...☆

نہیں جناب

"کک... کیا ہوا جناب... آپ کے جوتوں کے نیچے سپرنگ تو نہیں اگ آئے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"حد ہو گئی... سپرنگ نہ ہوئے... پھولوں کے پودے ہو گئے۔" محمود جل گیا۔

"ہاں واقعی... کوئی تک نہیں فاروق کے جملے کی۔"

"ان حالات میں تک تلاش کون کرے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا... ادھر وہ لگا جانے۔

"آپ کہاں چل دیے جناب... ہم آپ سے ہی ملنے کے لیے آئے ہیں... ہمارے پاس آپ کی ایک چیز ہے۔"

"ایک چیز؟"

"ہاں! ایک چیز۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میری کوئی چیز آپ کے پاس ہو۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"پندرہ دن پہلے آپ یہاں... شاید اسی میز پر کھانا کھا رہے تھے... اس وقت وہ چیز آپ کی جیب سے یہاں گر گئی تھی۔"

"آخر وہ کیا چیز ہے... جس کے گرنے کا مجھے پتا تک نہیں چلا۔"

"آپ کو بعد میں پتا چلا ہو گا اور آپ اس کو دیکھنے کے لیے یہاں آئے ہوں گے... لیکن کوئی شخص اس کو اٹھا کر لے گیا تھا.. اب وہ ہمیں اس سے ملی ہے... لہٰذا آپ ایک نظر اس کو دیکھ لیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اور پریشان ہو گیا۔

انسپکٹر جمشید نے سکہ اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سامنے کر دیا.. جونہی اس کی نظریں سکے پر پڑیں.. اس کا پورا جسم تھر تھرا اٹھا... پھر وہ تڑسے گرا... اور ساکت ہو گیا۔

وہ سکتے میں آ گئے... انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں ان سے کہا۔

"خبردار! کوئی اس کے نزدیک نہ آنے پائے... محمود اکرام کو فون کرو۔"

"تت... تو کیا یہ مر چکا ہے۔"

"ہاں! لیکن اسے قتل کیا گیا ہے۔"

"نن نہیں۔" وہ چلایا۔

"کیا ہوا... کیا ہوا۔" آس پاس کے لوگ پکار اٹھے... پھر کاؤنٹر پر موجود تینوں آدمی تیر کی طرح اس طرف آئے... وہ سکے والے کے نزدیک ہونا چاہتے تھے... کہ ان لوگوں نے ہاتھ پھیلا

دیے۔

"نہیں جناب۔" خان رحمان بولے۔

"نہیں جناب... کیا نہیں جناب۔"

"آپ اس کے نزدیک نہیں جا سکتے... یہ قتل کا کیس ہے۔"

"حد ہو گئی... یہاں قتل کا کیس کہاں سے آ ٹپکا... یہ بے چارا بے ہوش ہوا ہے... مرگی کا مریض ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"بہت خوب! آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ یہ مرگی کا مریض ہے... اور تصویر دیکھ کر آپ نے کہا تھا... آپ اسے نہیں جانتے۔"

وہ لاجواب ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا... دوسرا الجھ کر بولا:

"آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"اپنا کام کریں گے... اگر آپ نے آئیں بائیں شائیں کی... ہمارے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو ہم اس کے قتل کے شبہے میں آپ کو ہی گرفتار کریں گے۔"

"نن نہیں... نہیں۔" وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

محمود اس دوران اکرام کو فون کر چکا تھا... انسپکٹر جمشید ابھی تک لاش کا معائنہ کر رہے تھے... اچانک وہ بولے۔

"ارے باپ رے... بلو پائپ سے زہر کی سوئی اس کی طرف پھینکی گئی ہے۔"

"کک... کیا آپ کو سوئی نظر آئی۔"

"ہاں! یہ رہی گردن پر۔"

انہوں نے اس کی گردن کا جائزہ لیا... وہاں واقعی ایک عدد سوئی موجود تھی:

"جب ہم اس کے نزدیک پہنچے... یہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اس کا رخ ہوٹل کے دروازے کی طرف تھا... سوئی گردن میں لگی ہے... گویا سوئی دروازے کی طرف سے آئی تھی۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"لہٰذا محمود، فاروق تم فوراً دروازے کی طرف پہنچ جاؤ... وہاں موجود پہرے داروں کو نظروں میں رکھو... ان میں سے کوئی ایک فرار ہونے ہونے کی کوشش ضرور کرے گا... یا بلو پائپ غائب کرنے کی کوشش کرے گا۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"یہ کام وہ پہلے ہی کر چکا ہے..." انسپکٹر جمشید بھر پور انداز میں مسکرائے۔

"کیا مطلب... یعنی بلو پائپ غائب کر چکا ہے۔"

"ہاں! وہ کوئی عام قاتل نہیں ہے... اس کام کا ماہر ہے... لہٰذا بلو پائپ تو اس نے پہلی فرصت میں چھپا دیا تھا۔" وہ مسکرائے۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"جب وہ گرا تو میں نے اس کی طرف نہیں... اس سمت کی طرف توجہ دی تھی جس طرف سے سوئی آئی تھی... اس وقت تک مجھے معلوم نہیں تھا کہ سوئی آئی ہے یا بے آواز گولی... چنانچہ میں نے

ادھر دیکھا تھا... اور مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے پہرے داروں میں سے ایک نے اپنے دائیں ہاتھ کو اس سے کچھ لمحہ پہلے کوئی حرکت دی تھی..."

"اوہ... اوہ... آیئے پھر... کہیں وہ فرار نہ ہو جائے۔"

"نہیں... وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم اس قدر جلد اس کے بارے میں جان لیں گے... اسے یقین ہے... اس پر کسی کو شک نہیں ہوا۔"

"لیکن یہ ہوا کیا..."

"نواب جاری کے خاندان کے لوگوں کے قتل کا اس شخص سے ضرور گہرا تعلق تھا... یار لوگوں نے جب دیکھا کہ ہم اس تک پہنچ گئے... تو انہوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے ختم کر دیا..."

"یہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔" انہوں نے ایک بھاری بھر کم آواز سنی۔

وہ آواز کی طرف مڑے... ایک گول مٹول سا آدمی ان کی طرف بڑھ رہا تھا...

"آپ کی تعریف۔"

"آپ مجھے نہیں جانتے... مجھے کون نہیں جانتا؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی... ہم۔" فاروق نے فوراً کہا۔

وہ ہنس دیے...

"میں آرنل ہوں... اس ہوٹل کا مالک... ارے... یہ... یہ اسے کیا ہوا... ہائیں... یہ تو ڈیگو ہے۔"

"ڈیگو... کون ڈیگو۔"

"کرائے کا ایک قاتل... میں نے اسے ہزار بار سمجھایا تھا کہ یہ کام نہ کرے... ورنہ کوئی دشمنی میں اسے بھی قتل کردے گا.. لیکن اس نے میری ایک نہ سنی... افسوس... کیا اسے آپ نے قتل کیا ہے... آپ کون لوگ ہیں۔"

"مسٹر آرنل... آپ اتنے بچے تو نہیں ہیں۔"

"نہیں تو... یہ میں نے آپ سے کب کہا۔" اس نے منہ بنایا۔

"تب پھر آپ سب کچھ جانتے ہیں اور پھر پوچھ رہے ہیں کہ ہم کون ہیں۔"

"میں جانتا ہوں... کہ آپ کون ہیں... ہائیں... یہ بات تو میں واقعی نہیں جانتا... آپ کیسے جانتے ہیں۔"

"آپ ہمارا دماغ چاٹنے کی کوشش نہ کریں... ہمارا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے... میں انسپکٹر جمشید ہوں اور یہ میرے ساتھی ہیں... اگرچہ آپ جانتے ہیں اچھی طرح۔"

"پھر وہی... میں نہیں جانتا، آپ کون ہیں..."

"خوب خوب! اور ڈیگو.. تو اسے اچھی طرح جانتے تھے۔"

"یہ ہمارے گاہک کا مستقل ہوٹل تھا... بھلا میں کیوں نہ جانتا

ہوں گا اسے۔"

"آپ نے درست فرمایا... یہ آپ کے گاہک کا مستقل ہوٹل تھا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"ہائیں... یہ میں کیا کہہ گیا... خیر خیر... مطلب تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے... لہٰذا اب جملہ درست کرنے کا کیا فائدہ۔"

پھر وہاں اکرام آگیا... اس کے ماتحتوں نے لاش کے گرد گھیرا ڈال لیا اور اپنا کام شروع کر دیا... اب انہوں نے دروازے کا رخ کیا... وہاں چار بیرے موجود تھے۔

"تم میں سے یہ کام کس کا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے براہ راست سوال کیا۔

"جی.. کیا مطلب... یہ آپ نے کیا کہہ دیا جناب... آپ کون سے کام کی بات کر رہے ہیں۔"

"اس قتل کی۔"

"ارے باپ رے... آپ مذاق کر رہے ہیں شاید۔"

"اچھی بات ہے... اب میں سنجیدگی سے سوال کرتا ہوں.. آپ میں سے کس نے ڈیگو کو بلو پائپ کے ذریعے قتل کیا ہے۔"

"ب... بلو پائپ... یہ کس چیز کا نام ہے... کیا قتل کرنے کا کوئی ہتھیار ہے یہ۔"

"ہاں! انجان نہ ہو۔"

"ہم سمجھ نہیں پائے... ہم تو یہاں دروازے پر تھے.. جب

کہ وہ اندر تھا... ہمیں تو یہ بھی آپ سے ہی معلوم ہوا ہے کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔"

"تو آپ بلو پائپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"نہیں... بالکل نہیں۔"

"اور نہ آپ میں سے ایک نے بگو کا قتل کیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔"

اور اگر میں یہ بات ثابت کر دوں۔"

"تو جو چور کی سزا، وہ ہماری۔"

"چور کی نہیں... قاتل کی... چور کی سزا اور ہے... قاتل کی اور۔"

"منظور۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اکرام کے چار ماتحتوں کو ادھر بلا لو بھئی۔"

"جی اچھا۔" محمود نے کہا اور ہوٹل کے باہر موجود چار ماتحتوں کو وہاں لے آیا۔

"ان چاروں کو ہتھکڑی پہنا دو۔"

"کیا مطلب جناب! یہ کیا ثبوت ہوا؟" ایک نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"پہلے ہتھکڑی لگے گی... پھر ثبوت... ثبوت پیش نہ کر سکا... تو یہ چاروں ہتھکڑیاں اپنے ہاتھوں میں پہن کر یہاں سے رخصت ہو جائیں گے ہم۔"

"کیا واقعی۔"

"بلاوجہ تو دعوے میں کیا نہیں کرتا۔"

"آپ اپنے دعوے سے پھر جائیں گے... میرا مطلب ہے... آپ ہم پر جرم ثابت نہیں کر سکیں گے اور ہتھکڑیاں پہنے بغیر یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔" وہ مسکرائے۔

"ہم کیسے یقین کر لیں۔"

"تم کس طرح اپنا اطمینان چاہتے ہو۔"

"یہاں کچھ اور لوگوں کو بلا لیں... ہوٹل کے مالک کو... اندر بیٹھے چند معزز گاہکوں کو... اور اپنے چند ماتحتوں کو تاکہ آپ اپنے دعوے میں جب جھوٹے ثابت ہوں اور ہتھکڑیاں بھی نہ پہنیں تو یہاں موجود لوگ تو دیکھ لیں... کہ آپ کتنے انصاف پسند ہیں۔" ان میں سے ایک نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے... آپ کا نام کیا ہے۔"

"میرا نام راشد گھاٹیا ہے۔"

"شکریہ! محمود... تم ذرا ہوٹل کے مالک آرتل صاحب کو بلا لاؤ... وہ لاش کے پاس ہی مل جائیں گے... اور ہوٹل کے چند گاہکوں کو بھی اور اکرام کو بھی۔"

"جی اچھا۔" محمود نے فوراً کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اندر چلا گیا۔

جلدی ہی سب لوگ وہاں آ گئے ... ان سب کے چہروں پر حیرت تھی۔

"آپ نے ہمیں یہاں کس لیے بلایا ہے۔" آرنل نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کے ان چار کارکنوں کی درخواست پر۔"

"جی ... کیا مطلب؟"

"میں وضاحت کرتا ہوں۔" راشد گھاٹیا نے فوراً آگے بڑھ کر کہا۔

"کوئی اعتراض نہیں ... آپ ہی کر دیں وضاحت۔"

اس نے ساری بات تفصیل سے بیان کر دی ... اب وان کے چہروں پر اور حیرت دوڑ گئی۔

"آپ کا مطلب ہے ... اندر جو بیگو کی لاش موجود ہے ... اس کا قاتل ان میں سے ایک ہے۔"

"ہاں! باقی تینوں بھی ساتھی ہیں ... جرم ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا اور بتا نہیں رہے ... لہٰذا ساتھی ہوئے ... ہوئے یا نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"پہلے آپ اپنی پوری بات کی وضاحت کریں ... کیا خبر آپ بات کو گھما پھرا کر کر رہے ہوں۔" آرنل نے منہ بنایا۔

"میں بات کو گھما پھرا کر کرنے کا عادی ضرور ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"بس تو پھر وضاحت کر دیں پہلے۔"

"اچھا۔" انہوں نے کہا اور سب پر ایک نظر ڈال کر کہنے لگے:

"ہم کاؤنٹر پر کھڑے تھے ... اور کاؤنٹر پر موجود تین آدمیوں سے بیگو کے بارے میں پوچھ رہے تھے ... ہم نے بیگو کی تصویر بھی دکھائی تھی۔"

"کیا کہا ... بیگو کی تصویر .. تصویر کہاں سے مل گئی آپ کو۔" آرنل بوکھلا کر بولا۔

"ملی نہیں ... بنائی تھی ہم نے ... ایک صاحب نے اس کا حلیہ بیان کیا تھا ... ہم نے حلیے کو سن کر اس کی تصویر بنا ڈالی۔"

"اور ... اور وہ کون تھا؟" آرنل نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"سردار اشرف۔"

"کیا!!!" آرنل بہت سے زور سے اچھلا۔

☆...☆...☆

ایک جملے کا اضافہ

انہیں بہت حیرت ہوئی... وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سردار اشرف کا صرف نام سن کر ہوٹل نشان کا مالک آرنل اس طرح اچھلے گا... چند سیکنڈ تک وہ اس کے چہرے کا جائزہ لیتے رہے... وہاں حیرت کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا... آخر آہستہ آہستہ یہ سمندر غائب ہو گیا... پھر وہ بالکل پر سکون نظر آنے لگا... اس کے چہرے پر اب حیرت کی جگہ کی مسکراہٹ تیرنے لگی۔

"مجھے افسوس ہے... میں بلاوجہ سردار اشرف کا نام سن کر حیران ہو گیا... آپ آگے بیان کریں۔"

"نہیں... پہلے آپ اپنی حیرت کی وضاحت کریں۔"

"بس میں اس بات پر حیران ہوا تھا کہ سردار اشرف نے اس سکے کے سلسلے میں بیگو کا نام کس طرح لیا..."

"کیوں! کیا اس سکے سے بیگو کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"اب تو وہ مر گیا... اس بات وضاحت وہی کر سکتا تھا۔" آرنل نے فوراً کہا۔

"میرے خیال میں تو آپ بھی کر سکتے ہیں۔"

"نہیں... بالکل نہیں۔" اس نے پرزور انداز میں کہا۔

"خیر خیر... ہم پھر موجودہ صورت حال کی طرف آتے ہیں... جب ہم کاؤنٹر پر کھڑے تھے اور آپ کے کارکن بیگو کے بارے میں کچھ نہیں بتا رہے تھے تو ہم نے بیگو کو ہال میں دیکھ لیا... میرے ایک ساتھی چلا اٹھے... ارے بیگو تو وہ رہا... لہٰذا ہم اس کی طرف لپکے... اس کے نزدیک نہیں پہنچے تھے کہ وہ تڑ سے گرا اور مر گیا۔ جس وقت وہ گرا، اس کا منہ صدر دروازے کی طرف تھا اور صدر دروازے پر اس وقت یہی چاروں تھے... درمیان میں کوئی آدمی نہیں تھا... لہٰذا ان چاروں میں سے ایک بیگو کا قاتل ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی... آپ لوگ سن رہے ہیں۔" آرنل نے ہوٹل کے گاہکوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں! ہم سن رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں... انسپکٹر صاحب بلاوجہ ان لوگوں کو قتل کے جرم میں پھانسنے کے چکر میں ہیں..." ایک گاہک طنزیہ انداز میں بولا۔

"پہلے آپ لوگ پوری بات سن لیں... پھر رائے زنی کیجیے گا... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"آپ نے خود ہمیں یہاں بلایا ہے... ہم جس وقت چاہیں گے رائے زنی کریں گے۔"

"آپ میری درخواست پر نہیں... ان چاروں کی خواہش پر

یہاں بلائے گئے ہیں۔"
"خیر خیر... یونہی سہی۔" آرنل جلدی سے بولا۔
"ونگو کا چہرہ اس وقت صدر دروازے کی طرف تھا... اس
کی گردن میں ایک سوئی آکر لگی... اور وہ مر گیا۔"
"بھلا کوئی صرف ایک سوئی لگنے سے بھی مر سکتا ہے۔"
آرنل نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"ہاں! کیوں نہیں... اگر سوئی زہر میں بجھی ہوئی ہو۔"
"نن... نہیں۔" وہ خوف زدہ انداز میں چلائے۔
"ہاں جناب! زہر میں بجھی ہوئی سوئی اس کی طرف پھینکی
گئی۔"
"آخر کیسے.. کیا کسی کمان میں رکھ کر تیر کی طرح پھینکی گئی..
آج تک ایسا سننے میں تو آیا نہیں۔" ایک گاہک نے کہا۔
"ہمارے ملک میں سوئی پھینکنے کے کچھ ماہر موجود ہیں... یہ
طریقہ دراصل افریقہ سے دنیا میں پھیلا ہے... افریقہ کے لوگ اس
طرح اپنے دشمنوں کو ختم کرتے ہیں... وہاں کچھ درختوں کا پانی یا رس
قدر زہریلا ہے کہ انسان کے جسم میں بالکل خفیف سی مقدار اگر داخل
ہو جائے تو وہ مر جاتا ہے... لہٰذا ایک سوئی کی نوک پر ایسا زہر لگا دیا
جاتا ہے اور پھر وہ اس شخص کو پھینک ماری جاتی ہے۔"
"میں نے پوچھا تھا... کس طرح پھینک ماری جاتی ہے۔"
"اس کے لیے ایک نلکی استعمال کی جاتی ہے... نلکی میں وہ

حیرت

"کیا آپ اب بھی کچھ کہنا پسند کریں گے۔" انہوں نے
طنزیہ انداز میں آرنل کی طرف دیکھا۔
"نن نہیں..." اس نے گھبرا کر کہا۔
"یہ کیا بات ہوئی۔" ایک گاہک بولا۔
"یہ لنگڑا گروپ سے واقف ہیں... اس لیے کہہ رہے
ہیں... کہ اب کچھ نہیں کہنا پسند کریں گے۔"
"لیکن ہم نہیں سمجھ سکے... اگر ہمیں بلایا گیا ہے تو بتایا
جائے... یہ سب کیا چکر ہے۔"
"شہر میں ایک لنگڑا گروپ قتل کی وارداتیں کرنے کے
سلسلے میں بہت مشہور ہے... آج تک یہ گروپ پکڑا نہیں جا سکا تھا...
جہاں یہ واردات کرنے جاتے ہیں... وہاں اپنا یہ نشان سکہ ڈال آتے
ہیں... اور ایک کارڈ بھی... اس پر لکھا ہوتا ہے... لنگڑا گروپ۔"
"نن... نہیں۔" وہ بولے۔
"لیکن آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ وہی گروپ ہے... کیا
ان کے ماتھے پر لکھا ہے۔" آرنل نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں جناب... واقعات کا تجزیہ کرنے پر ہی میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے... جونہی میں نے سکہ بیگو کو دکھایا... اس پر سوئی سے وار کر دیا گیا... جب کہ ابھی ہم نے اس سے سوال جواب نہیں کیے تھے۔"

"لیکن یہ لوگ تو دروازے پر کھڑے تھے... کیا یہ وہاں کھڑے ہوئے اس سکے کو دیکھنے کے قابل تھے..." آرنل نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں... یہ اس قابل نہیں تھے۔"

"پھر آپ نے یہ کیسے کہہ دیا۔"

"میرا ایک اندازہ ہے... اگر آپ سننا پسند کریں... اگر پسند نہیں کرتے تو میں انہیں لے جاتا ہوں۔"

"آپ نے اب تک یہ وضاحت نہیں کی کہ انہیں آپ نے لنگڑا گروپ کیسے کہہ دیا۔"

"بتا چکا ہوں... جونہی میں نے سکہ نکال کر اسے دکھایا... اس کا کام تمام کر دیا گیا۔"

"اوہ... لیکن یہ بات بھی کچھ مکمل نہیں... لنگڑا گروپ کا ذکر نہیں آیا اس میں۔"

"اگر آپ زیادہ مکمل بات سننا چاہتے ہیں تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔"

"سننا چاہتے کیا ہیں... ہم تو سننے کے لیے بری طرح بے

چین ہیں۔" آرنل بولا۔

"میں چاہتا تھا... اس کی وضاحت یہ خود کرتے... قاتل تو یہ اب ثابت ہو ہی چکے ہیں اور آپ بھی مکمل طور پر زد پر ہیں۔"

"میں... وہ کیسے جناب؟"

"آپ نے لنگڑا گروپ کو ملازم رکھا ہوا ہے۔"

"میں تو لنگڑے گروپ کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں... ہم دفتر میں چل کر ان کے منہ سے آپ کو سنوائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا۔

"نن نہیں... نہیں... ہمیں وہاں نہ جانے دیجئے گا مسٹر آرنل۔" راشد گھاٹیا چیخا۔

"لیکن یہ کیسے روک سکتے ہیں بھلا... ہم نے تمہیں یہیں قاتل ثابت کر دیا ہے... اب بات تو لنگڑا گروپ کی رہ گئی ہے۔" محمود نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں راشد... میں اب تمہیں نہیں روک سکتا... یہ لوگ قانون کے مطابق تمہیں لے کر جا رہے ہیں... بلوپائپ پر اگر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ ملے... یا تمہارے تینوں ساتھیوں کے نہ ملے، تب تو بات بن جائے گی اور میں بہت کچھ کر سکوں گا... ورنہ نہیں۔"

"لیکن یہ قانون کے مطابق ہم پر سختی نہیں کر سکتے... ہم اپنا جرم قبول کرتے ہیں... اب سختی کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔"

"لنگڑے گروپ کی تفصیل... وہ تو تمہیں بیان کرنا ہو گی... ورنہ سختی تو ہم کریں گے۔"

"جمشید... آخر یہ لنگڑا گروپ کیا بلا ہے۔"

"اس شہر میں ایک مدت سے مصیبت بنا ہوا ہے... یہ دراصل کرائے کے قاتل ہیں... اپنے مخالفوں کو قتل کرانے کے لیے لوگ لنگڑے گروپ کی خدمات حاصل کرتے ہیں... اس وقت ان کی خدمات بگو کو قتل کرنے کے لیے حاصل کی گئی تھیں۔"

"کیا عین اسی وقت۔"

"ہاں! انھیں اسی وقت اشارہ ملا تھا... جب ہم اس کی طرف بڑھ رہے تھے، کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے تینوں ملازم ہمیں اچھی طرح پہچانتے ہیں... انہوں نے فوراً کسی کو خبر کی... اس نے ان سے رابطہ کیا... اور انہوں نے ہماری موجودگی میں یہ کام کر ڈالا اور یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔"

"حد ہو گئی... اس قدر دیدہ دلیری؟" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"اگر میں اس کی حرکت نہ دیکھ لیتا... یا سمت کا اندازہ نہ لگا سکتا تو یہ ابھی اور نہ جانے کیا کیا گل کھلاتے۔"

"گویا ان کے ساتھ مسٹر آرنل کو بھی لے جانا ہو گا۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"ہاں! بالکل۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"نہیں جناب! مجھے آپ کس قانون کے تحت لے جائیں گے... میں نے تو انہیں ہوٹل میں بس ملازمت دی ہے اور یہ کوئی جرم نہیں... اب مجھے کیا پتا کہ اندر خانے یہ کیا کرتے رہے ہیں۔" آرنل نے منہ بنایا۔

"اگر آپ نے انہیں صرف ملازمت دی ہے... اور آپ ان کے ان کاموں میں اگر شریک نہیں ہیں تو آپ کو جلد واپس بھیج دیا جائے گا۔"

"آپ مجھے کس قانون کے تحت کے لے جائیں گے... پہلے تو یہ بتائیں۔"

"تفتیش کے لیے لے جاسکتے ہیں... آپ مجھے قانون نہ پڑھائیں۔"

"مجھے اجازت دیں... میں اپنے وکیل کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ضرور... کیوں نہیں... لیکن آپ کو یہ سہولت ہم دفتر چل کر مہیا کریں گے، یہاں ٹھہر کر ہم وکیل کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کر سکتے۔"

"اچھی بات ہے... آپ کی مرضی۔" اس نے کہا... نہ جانے کیوں... اچانک اس کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان محسوس ہونے لگا تھا۔

"ویسے ہم آپ کو یہاں بھی فارغ کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر

جمشید مسکرائے۔

"جی... کیا مطلب... یہ کیا بات ہوئی... ابھی آپ کیا کہہ رہے تھے اور اب کیا کہہ رہے ہیں... یہ تو وہی بات ہوئی... گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔"

"لیکن جناب! اب تولوں اور ماشوں کا زمانہ کہاں ہے... اب تو گرام آگئے ہیں... دس گرام، سو گرام... ہزار گرام۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہے کوئی تک..."

"اب یہ محاورے بھی تو پرانے پرانے لگتے ہیں... مثلاً دو.. ایک ضرب المثل... ٹکے کی ہنڈیا گئی... کتے کی ذات پہچانی گئی... کیا یہ حد درجے پرانے نہیں لگتے... اس لیے کہ اول تو آج کل ہانڈیاں نہیں رہ گئیں... ان کی جگہ پریشر ککروں نے لے لی ہے... دوسرے آج کل ایک ہانڈی پکانے پر ایک ٹکا نہیں... ایک سو بلکہ اس سے بھی زیادہ روپے لگتے ہیں... پھر۔" فاروق کہتا چلا جا رہا تھا کہ فرزانہ نے گھبرا کر کہا:

"بس بس... معلوم ہو گیا... واقعی ایسے محاورے اور ضرب المثل اب پرانے لگنے لگے ہیں... لیکن یہ موقع ان باتوں کا نہیں۔"

"ہاں بالکل... فاروق تم بلاوجہ ادھر ادھر کی ہانکنے لگتے ہو.. کچھ تو خیال کیا کرو۔" محمود نے اسے گھورا۔

"سس... سوری۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ کیا کہہ رہے تھے... آپ مجھے یہاں بھی فارغ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں بالکل... میں آپ کو یہاں بھی اپنی تفتیش سے فارغ کر سکتا ہوں، پھر تو آپ کو وکیل کی خدمات کرنا پڑیں گی... نہ کوئی الجھن مول لینا پڑے گی۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کے لیے آپ کو صرف اور صرف ایک کام کرنا ہوگا۔" وہ مسکرائے۔

"اور وہ کیا؟" اس نے فوراً کہا۔

"ایک بہت چھوٹا سا کام۔" وہ پھر بولے۔

"بتائیے بھی تو..."

"ہاں! بتانے لگا ہوں۔" انہوں نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

"یہ کیا بات ہوئی... جملہ کہا کہ بتانے لگا ہوں اور پھر خاموش ہو گئے۔"

"میرا طریقہ بس کچھ ایسا ہی ہے... خیر میں بتائے دیتا ہوں... پہلا چھوٹا سا کام تو آپ یہ کریں گے... کہ اپنی جامہ تلاشی دیں گے... ابھی اور اسی وقت۔"

"اور دوسرا کام؟"

"دوسرا کام جامہ تلاشی کے بعد بتاؤں گا۔"

"حد ہو گئی... ہے کوئی تک۔"

"پتا نہیں... میری اس بات میں کوئی تک ہے یا نہیں.. میں بہر حال اس چکر میں پڑتا ہی نہیں کہ میری کون سی بات میں تک ہے اور کون سی میں نہیں۔"

"خیر... آپ میری تلاشی لے لیں۔"

"پروفیسر صاحب... تلاشی آپ لیں گے۔"

"کک... کیا مطلب جمشید۔" وہ حیران رہ گئے۔

"ہاں بس... لے لیں... تلاشی۔" وہ ہنسے۔

"اوہ اچھا... میں سمجھ گیا۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

"آپ کیا سمجھ گئے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ جو تلاشی میں لے سکتا ہوں... وہ تم تینوں نہیں لے سکتے۔" پروفیسر مسکرائے۔

"تینوں نہیں... پانچوں... آپ مجھے اور خان رحمان کو بھی شامل کر لیں۔"

"اوہ اچھا۔" انہوں نے سر ہلایا۔

پھر جیب سے ایک ننھا سا آلہ نکال کر آرتل کی طرف بڑھے... انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک اس آلے کی مدد سے چھو کر آرتل کو چیک کیا... آلے پر جو نہی آواز ابھری... وہ چونک اٹھے۔

"موجود ہے جمشید۔" وہ بولے۔

"جی... جی ہاں! موجود ہے۔" وہ بولے۔

"اوہو... میں نے یہ نہیں کہا..."

"اچھا تو وہ کہا ہے... ٹھیک ہے، بر آمد کر لیں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔" پروفیسر داؤد بولے اور اس کی ایک جیب میں ہاتھ ڈال دیا... فوراً ہی ان کے ہاتھ میں ایک ننھا سا آلہ نظر آیا... جو نہی آلہ باہر نکلا... آرتل کا رنگ اڑ گیا... چہرے کی ساری رونق غائب ہو گئی...

پروفیسر داؤد نے فوری طور پر اس آلے کو بیکار کر دیا... ادھر انہوں نے آلے کو بیکار کیا... ادھر انسپکٹر جمشید بولے:

"دھیان رکھنا... ہوٹل کے کسی کمرے کی کھڑکی کھلنے والی ہے..." یہ کہہ کر انہوں نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے... یہ کیا... آپ کہاں چل دیے۔"

"جب میں اشارہ دوں... تب اوپر آنا۔" وہ چلائے۔

ایسے میں ان کی نظریں آرتل پر پڑیں... انہیں یوں لگا جیسے اس کے سارے جسم کا خون یک لخت نچوڑ لیا گیا ہو... ایسے میں اوپر والی منزل کی ایک کھڑکی کھلی۔

☆...☆...☆

سوئی رکھی جاتی ہے اور اس کے ایک سرے پر زور سے پھونک ماری جاتی ہے... اس پھونک کے زور پر سوئی نلکی سے نکل کر تیر کی طرح جاتی ہے اور سامنے والے شخص کے جسم میں پیوست ہو جاتی ہے... ادھر سوئی اس کے جسم میں داخل ہوئی... ادھر وہ گرا۔"

"اور آپ کا خیال ہے... ان میں سے ایک نے ایسی کوئی نلکی استعمال کی، اس میں سوئی رکھی اور پھونک مار کر سوئی پیگو کی طرف پھینکی... پیگو مر گیا... لیکن پیگو سے ان لوگوں کو کیا دشمنی۔" آرنل ہنسا۔

"یہ بعد کی بات ہے... پہلے ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ سوئی ان میں سے ایک نے پھینکی یا نہیں... ان کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہے... اور یہ کہ میں یہ بات ثابت نہیں کر سکتا... میں نے کہا ہے... اگر میں یہ بات ثابت نہ کر سکا... تو یہ ہتھکڑیاں میں اور میرے بچے پہن کر یہاں سے رخصت ہوں گے۔"

"کیا واقعی۔" آرنل چونکا۔

"جی ہاں! بالکل۔"

"تب تو آپ ذرا جلدی کریں، اس لیے کہ میں چاہتا ہوں.. یہ منظر دیکھ لوں۔"

"او کے... ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انہوں نے کوئی سوئی نہیں پھینکی۔"

"ہاں! ان کا دعویٰ یہی ہے... آپ آگے چلیں اور بات کو

اندازہ

مارے حیرت کے وہ اچھل پڑے... ایسے موقعوں پر انہیں اپنے والد کے اندازوں پر بہت حیرت ہوتی تھی... انہوں نے پہلے ہی یہ جان لیا تھا کہ ہوٹل کے کسی کمرے کی کھڑکی کھلے گی اور شاید انہوں نے اسی کمرے کی طرف دوڑ لگائی تھی... کھڑکی کھلتے ہی کسی نے باہر کی طرف دیکھا... فاصلہ زیادہ تو نہیں تھا۔ پھر بھی وہ جھانکنے والے کو پہچان نہیں سکے... ادھر جھانکنے والے کا چہرہ فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا اور کھڑکی بند ہو گئی...

اس کے صرف ایک منٹ بعد انہوں نے انسپکٹر جمشید کو اوپر والے برآمدے سے جھانکتے دیکھا... وہ اشارے سے پوچھ رہے تھے... کون سی کھڑکی کھلی تھی... انہوں نے اشارے سے بتا دیا....

اب انہوں نے اشارے میں کہا:

"آپ سب بھی اوپر آجائیں... ان پانچوں کو بھی لے آئیں۔"

"شش شاید کہانی یہیں ختم ہونے والی ہے۔" محمود بڑبڑایا..

پھر انہوں نے اکرام سے کہا:

لمبا نہ کریں... ہمیں اور بھی کام ہیں۔"

"اچھی بات ہے... اب میں صاف اور سیدھا الزام لگاتا ہوں... بیگو کو راشد گھاٹیا نے قتل کیا ہے۔"

"اوہ... کیا صاف اور سیدھا الزام ہے.. اور اس کا ثبوت۔"

"بلو پائپ۔" وہ مسکرائے۔

"کیا کہا... بلو پائپ۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! میں یہاں آس پاس سے بلو پائپ برآمد کروں گا... اس پر راشد گھاٹیا کی انگلیوں کے نشانات ہوں گے... تب تو آپ کو کوئی شک نہیں رہ جائے۔"

"نہیں... بالکل نہیں۔"

"تب پھر یہ دیکھیں... راشد نے بلو پائپ یہاں پودے میں چھپایا ہے... دروازے کے دائیں طرف جو بڑے بڑے پتوں والا پودا ہے... اور بڑے بڑے گلاس نما اس کے پتے ہیں... ان میں سے کسی ایک گلاس میں بلو پائپ موجود ہے۔"

"ن ن... نہیں۔" انہوں نے پہلی بار راشد کی خوف میں ڈوبی آواز سنی۔

"کیوں... ہوا ہو گئی ساری شیخی۔" وہ مسکرائے۔

"آپ... آپ نے کیسے دیکھ لیا... آپ تو اس وقت بیگو کی طرف دیکھ رہے تھے۔" راشد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جونہی سوئی لگی اور وہ گرا... مجھے سمت کا اندازہ ہو گیا...

میں بلا کی تیزی سے دروازے کی طرف مڑا... اور میں نے تمہارے ایک ہاتھ کو پودے کی طرف سے واپس آتے دیکھ لیا۔"

"ن ن نہیں۔"

"اب میں بلو پائپ نکالتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ہاتھ پر رومال لپیٹ لیا... اور صرف چٹکی سے پکڑ کر بلو پائپ اس پودے کے ایک گلاس میں سے نکال لیا...

سب لوگ اس پائپ کو دیکھ کر دھک سے رہ گئے... وہ سیاہ رنگ کا تھا... اس میں سوئی رکھنے کے لیے باریک سا سوراخ بنا ہوا تھا... جب کہ دوسری طرف منہ سے پھونک مارنے کے لیے بڑا سوراخ تھا۔"

"یہ ہے وہ ثبوت... راشد گھاٹیا... اب تم کیا کہتے ہو۔"

"اب میں کیا کہوں گا... مارا گیا میں تو... میرے ان تین ساتھیوں کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے... لہٰذا آپ صرف مجھے گرفتار کریں۔"

"نہیں... یہ بھی قتل میں شریک ہیں... انہوں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں یہ کام کرتے دیکھا... یہ چاہتے تو تمہیں روک سکتے تھے... لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا... چنانچہ انہیں بھی گرفتار کیا جائے گا..."

"ن نہیں... ہمارا کوئی تعلق نہیں... ہم نے تو اسے اس

وقت دیکھا... جب یہ پھونک مار چکا تھا... ہم سمجھے... یہ کوئی تمبا کو پینے کا پائپ ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اوہو اچھا... اس کا مطلب ہے... تم اس پائپ سے واقف تک نہیں ہو۔"

"بالکل نہیں جناب۔"

"تب پھر میں اپنی کہانی میں ایک جملے کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"جملے کا اضافہ.. کیا مطلب ؟" آرنل نے حیران ہو کر کہا۔

"مطلب یہ کہ ... میں کچھ اور کہنا چاہوں گا ... اگر آپ اجازت دیں۔"

"کہیے جناب... کہیے۔" اس نے منہ بنایا۔

"لنگڑا گروپ میں کتنے آدمی شامل ہیں بھلا۔"

"کک... کیا مطلب ؟"

وہ بری طرح اچھلے... پھر ان کی آنکھوں میں خوف ہی خوف دوڑ گیا۔

☆...☆...☆

"انکل... آپ ان لوگوں کو اوپر لے آئیں... پستول کی زد پر۔"

یہ کہتے ہی اس نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی... باقی بھی چلے اوپر کی طرف ... برآمدے میں پہنچ کر انہوں نے دیکھا ... انسپکٹر جمشید ایک کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ ان کے نزدیک پہنچ کر رک گئے۔

"یہی ہے وہ کمرہ ... جس کی کھڑکی کھلی تھی۔" انہوں نے بتایا۔

"اچھا تو پھر ؟"

"وہ اندر ہی ہے۔"

"کک کون۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"یہ کمرہ دراصل آرنل کا ہے۔"

"اوہ... اوہ۔"

"لیکن اس وقت اس کمرے میں آرنل کی جائے کوئی اور ہے... آرنل یہیں سے نکل کر ہماری طرف آیا تھا..."

"یہ کیا چکر ہے۔"

"باقی لوگ آلیں... پھر بتاتا ہوں۔"

"لیکن یہ کہانی تو شروع ہوئی تھی نواب جاری کی حویلی کے ایک کمرے سے۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! وہ کمرہ ہمیں اس کمرے تک لے آیا ہے۔" وہ

مسکرائے...

"آپ کی آپ ہی جانیں... ہمیں تو کچھ نہیں سوجھ رہا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جو کچھ ہے... ابھی سامنے آنے والا ہے۔ باقی لوگوں کو اوپر آنے دو۔" انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"گویا آپ نے اصل مجرم کو کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

"ہاں! وہ یہاں آرتل کے ساتھ تھا۔"

"گویا رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔"

"بالکل... اس کے ساتھ لنگڑا گروپ بھی پکڑا گیا۔"

"لنگڑے گروپ والی بھی خوب رہی... اسے آپ اچانک نہ جانے کہاں سے اٹھا لائے۔"

"اپنے ذہن کے کسی کونے سے۔"

"آپ کے ذہن کے کونے بھی عجیب ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اچھا اندازہ لگاؤ... کمرے میں کون ہے؟"

"کمرے میں کون ہے؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! کون ہے کمرے میں۔"

"جی اچھا... ابھی اندازہ لگاتے ہیں۔"

اسی وقت وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی... اور باقی سب لوگ آتے نظر آئے...

"کیا رہا جمشید۔" خان رحمان پرجوش انداز میں بولے۔

"مار لیا میدان... مجرم کمرے میں ہے... میں نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے۔"

"آخر وہ کون ہے اور یہ سارا چکر ہے کیا۔"

"نواب جاری کو احساس ہو گیا تھا کہ اب ان کی باری ہے... ان پر ایک دو وار ہو بھی چکے تھے... لیکن وہ بچ گئے... لہٰذا انہوں نے ہمیں وہ خط لکھا... تاکہ ہم اس معاملے کی طرف متوجہ ہوں... اور اصل مجرم کو تلاش کر لیں... خود نواب جاری آج تک یہ اندازہ نہیں لگا پائے کہ وہ کون ہے... جو ان کے گھرانے کے ایک ایک فرد کو قتل کرتا چلا آ رہا ہے... اس خط کی وجہ سے ہم ان کے ہاں گئے... انہوں نے بہت پراسرار انداز میں کمرہ دکھایا... غالباً گھر کے افراد کو پہلے ہی سب کچھ سمجھا دیا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں... ان کا اصل مطلب بھی یہی تھا کہ ہم پوری طرح اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور وہ قاتل سے بچ جائیں... سو وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے... اور مجرم اس خاندان کے اس فرد کی جان نہ لے سکا... ساتھ ہی یہ سلسلہ ختم ہو گیا..."

"پتا نہیں... آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" آرتل نے منہ بنایا۔

"اب آپ چھپا کر کیا کریں گے... دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی تو ہوا چاہتا ہے۔"

"لیکن میرا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔"

"تب پھر مجرم آپ کے کمرے میں کیوں موجود ہے۔"

"میں نہیں جانتا تھا... اندر موجود شخص کا تعلق کسی کیس سے ہے... وہ بھی قتل کیس سے۔"

"خیر... اگر آپ نہیں جانتے تھے تو آپ کی جیب سے وہ آلہ کیوں نکلا اور جونہی وہ آلہ پروفیسر داؤد نے ضائع کیا... اس لمحے اس کمرے کی کھڑکی کھول کر مجرم نے باہر کس لیے جھانکا۔"

"نن نہیں۔" اس نے مارے خوف کے کہا۔

"اب آپ ہمارا وقت ضائع نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید نے برا سامنہ بنایا۔ پھر سب پر ایک نظر ڈال کر بولے:

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا... نواب جاری نے ہمیں اس طرح اس معاملے کی طرف لگایا..."

"لیکن ابا جان... وہ براہ راست آپ کو بلا کر ساری بات بتا سکتے تھے۔"

"شاید ان کا خیال تھا کہ اس طرح ہم توجہ نہیں دیں گے۔"

"اچھا خیر... پھر۔"

"ہم تفتیش کے لیے نکلے... اور ڈاکٹر عثاری سے ملنے کے لیے پہنچے تو وہاں سردار اشرف کو نکلتے دیکھ کر حیرت ہوئی... پھر جب وہ سکہ گرا اور اس کو چھپانے کی انہوں نے کوشش کی تو میں پریشان ہو گیا... سکے پر جونہی میری نظر پڑی، میں چونک اٹھا... وہ سکہ لنگڑے گروپ کا نشان ہے۔"

"اوہ اوہ۔"

"ہاں! اس سکے کی مدد سے یہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں... لنگڑا گروپ آج سے نہیں... قریباً سو سال سے چلا آرہا ہے۔"

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"ہاں! اس کا سرغنہ مر جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے... اس طرح گروپ بدستور قائم چلا آرہا ہے... یہ لوگ کرائے کے بہت ماہر اور پرانے قاتل ہیں... اس وقت سے لے کر آج تک یہ یہی بھیانک کام کرتے چلے آرہے ہیں۔"

"اب کیوں نہ میں پہلے دروازہ کھول دوں... تاکہ آپ سب بھی مجرم کو دیکھ لیں۔"

"ہاں جمشید... مارے سسپنس کے برا حال ہے۔" پروفیسر بولے۔

وہ مسکرا دیے... پھر دروازے پر دستک دینے کے بعد بولے:

"ہم دروازہ کھول رہے ہیں... اگر آپ نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو ہم فوراً آپ کو شوٹ کر دیں گے..."

اندر سے انہیں کوئی جواب نہ ملا... پھر انہوں نے پستول ہاتھوں میں لے لیا... پوزیشن سنبھال لی... اور آخر چٹخنی گرا دی گئی... لیکن دروازہ نہ کھلا... اندر موجود شخص نے دروازہ اندر سے بند کر لیا

تھا...

"یہ... کیا... آپ دروازہ کھول دیں۔"

اندر سے کوئی جواب نہ ملا... انسپکٹر جمشید چلائے۔

"دروازہ کھول دیں... ورنہ میں توڑ دوں گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے پیچھے ہٹ کر دروازے پر اپنے کندھے کی ٹکر دے ماری...

دروازہ چرچرایا... لیکن ٹوٹا نہیں... وہ پھر پیچھے ہٹے... لیکن اس بار ٹکر لگنے سے پہلے ہی اندر گولی چلنے کا دھماکا ہوا۔

"اوہ... اوہ... اس نے خود کو گولی مار لی... افسوس۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"اور وہ کیا کرتا... بے چارا کسی کو منہ دکھانے کے قابل جو نہیں رہا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا۔

"کون بے چارا۔"

"جس نے خود کو اندر گولی مار لی... سو سال سے جس کا خاندان لنگڑا گروپ چلا رہا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ آپ نے ایک اور بات کہہ دی... سو سال سے لنگڑا گروپ چلا رہا ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! لنگڑا گروپ کی فائل کا مطالعہ تم نے نہیں... میں نے کیا ہے... ہر دور میں اس گروپ کا چرچا سننے میں آتا رہا ہے... لیکن کوئی پولیس آفیسر اس کا سراغ نہ لگا سکا... اور آج سراغ لگا تو اس

سکے کے ذریعے... یہ سکہ لنگڑے گروپ کا نشان ہے... پہلے بھی ایک دو سکے پولیس کے ہاتھ لگے ہیں... جو فائل کے ساتھ ریکارڈ میں موجود ہیں... میں نے ان سکوں کا بغور دیکھا تھا، اسی لیے مجھے سردار اشرف کے ہاتھ میں وہ سکہ نظر آیا تو میں حیرت زدہ رہ گیا... اور اب یہ بات بھی کچھ سمجھ میں آگئی کہ نواب جاری کے دادا جان کو کیوں قتل کیا گیا... ان کے باپ کو کیوں قتل کیا گیا... اور اب نواب جاری کی باری کیوں آنے والی تھی... ان کی تو آپس میں خاندانی دشمنی تھی... لہٰذا لنگڑا گروپ جب دوسروں کو معاوضہ لے کر قتل کرتا تھا تو کیا اپنے خاندانی دشمنوں کو وہ معاف کر دیتا... اس نے ان کو بھی لنگڑا گروپ کے تحت قتل کرنا شروع کر دیا... تاکہ کوئی شک سردار اشرف پر نہ جا سکے..."

"کک... کیا... یہ آپ نے کیا کہا۔"

"ہاں! اس گروپ کا موجودہ سرغنہ سردار اشرف تھا... اس نے خودکشی کی ہے... اس سے پہلے اس کا باپ اس گروپ کا سرغنہ تھا... اور اس سے پہلے اس کا دادا۔"

"اوہ... اوہ۔" وہ سب بولے۔

"اگر یقین نہیں آ رہا تو دروازہ تڑوا کر دیکھ لیں۔"

"وہ تو اب تڑوانا ہی پڑے گا... اور یہ آرنل وغیرہ۔"

"یہ تو اس کے ادنیٰ کارندے ہیں... اصل کرتا دھرتا تو یہی تھا..."

"اف مالک! یہ... کس قدر حیرت کی بات ہے۔"

"حیرت سے زیادہ افسوس کی بات ہے..." وہ بولے۔

پھر دروازہ تڑوایا گیا... انسپکٹر جمشید کا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا... اندر سردار اشرف کی لاش موجود تھی... اس نے گولی اپنی کن پٹی پر چلائی تھی... چند لمحے وہ سکتے کے عالم میں لاش کو دیکھتے رہے... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"آؤ بھئی چلیں... اب ہمارا یہاں کیا کام... یہاں تو اب اکرام کا کام رہ گیا ہے... اور ہاں... محمود... تم ذرا نواب جاری کو فون کرو... انہیں بتا دو... اب انہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اوہ... جی ہاں... واقعی۔" محمود نے چونک کر کہا...

پھر وہ فون کرنے لگا... اور باقی لوگ سوچ رہے تھے... انسان بھی کس قدر انوکھی چیز ہے... جس کی کوئی کل بھی تو سیدھی نہیں۔

❀❀❀

آئندہ ناول کی ایک جھلک

فورس کی تباہی

مصنف.......... اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ
اور
انسپکٹر جمشید سیریز
ناول نمبر 694

- ایک عجیب ناول... بلکہ بہت زیادہ عجیب۔
- اس کا آغاز بھی حد درجے عجیب... اور آخری صفحات تو عجیب تر...
- آپ کو یہ ناول پڑھتے وقت عجیب سا احساس ہوتا رہے گا۔
- لیکن آپ جان نہیں سکیں گے... چکر کیا ہے۔
- اور جب چکر سمجھ میں آنے لگے گا تو آپ اور الجھ جائیں گے۔
- لیکن... اپنا پروگرام آپ کو الجھانا نہیں... سلجھانا ہے۔
- اور یہ سلجھانا کام ہے کرداروں کا... لیکن۔
- لیکن کردار تو اس ناول میں خود الجھ گئے۔
- اس حد تک کہ کیا کبھی الجھے ہوں گے۔
- اس ناول کے بارے میں کوئی واقعاتی جھلک نہیں دی جا سکتی... لہٰذا انہی جملوں پر گزارا کریں... اور ناول کا انتظار کرنے کے لیے بے چین ہو جائیں۔
- گویا... آپ کو بے چین ہونے کی دعوت دی جاتی ہے...

انداز بک ڈپو
9/12 نصیر آباد' سانده کلاں۔ لاہور
قیمت: 18روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

فائل کے قیدی

مصنف.................. اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز سیریز
ناول نمبر 695

- فورس کی تباہی سے شروع ہونے والے ناول کا دوسرا حصہ۔
- حیرت، خوف، سسپنس اور عجیب ترین ناول۔
- بہت مدت بعد ایک ناول نے خود خود پھیلاؤ اختیار کر لیا۔
- اور میں اسے اگلے حصے تک لے جانے پر خود کو مجبور پانے لگا۔
- اس حصے میں انسپکٹر کامران مرزا بھی شامل ہو رہے ہیں۔
- لیکن کس انداز اور کس رنگ میں، آپ کی دلچسپیاں اور بڑھتی نظر آئیں گی۔
- اور ناول پوری طرح آپ کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔
- آپ بار بار سوچیں گے، ناول آخر ہے کیا... اس قسم کا ناول تو ہم نے آج تک نہیں پڑھا... نہ سنا۔
- ایک عجوبہ ناول...
- کیا انسپکٹر کامران مرزا پارٹی کی دال گل سکی۔
- آفتاب، آصف اور فرحت کی شوخیاں...
- انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات کن حالات میں ہوئی۔
- رونگٹے کھڑے کر دینے والا ناول

انداز بک ڈپو
9/12 نصیر آباد' سانده کلاں۔ لاہور
قیمت: 18روپے

- فورس کی تباہی اور اس کے بعد..
- فائل کے قیدی میں بھی جب اس ناول کو ختم نہ کیا جاسکا تو مجبوراً اس کو اناشا کا وار تک لے جانا پڑا۔
- ایک ہولناک ناول... تیسرے حصے میں شوکی برادرز بھی شامل۔
- ملک کے صدر شوکی برادرز کو بلاتے ہیں۔
- لیکن کیسے...اور جو لینے گیا...اس نے شوکی برادرز کے ساتھ کیا سلوک کیا
- شوکی نے اناشا کے وار کا مقابلہ کیسے کیا۔
- آپ دھک سے رہ جائیں گے۔
- ایک ایسا ناول جو آپ کو کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہ آئے گا۔
- ناول میں سسپنس ہر لمحے آگے بڑھتا نظر آئے گا۔
- اور آپ کہہ اٹھیں گے ....یہ تو بیٹھے بٹھائے ایک عدد خاص نمبر بن گیا۔
- لیکن...میں اس لیکن کے بعد کچھ بھی نہیں کہوں گا...کیونکہ....
- سوری! میں تو اس کیونکہ کے بعد بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

انداز بک ڈپو
قیمت :18روپے
9/12 نصیر آباد، سانده کلاں۔ لاہور

رعایتی قیمت پر حاصل کریں

سٹاک میں موجود کتب کی فہرست حاضر ہے، آپ یہ کتب 33% رعایت پر حاصل کر سکتے ہیں....جو کتب آپ منگوانا پسند کریں...ان کی قیمت کا حساب لگا کر رقم ادارے کے نام منی آرڈر کر دیں.....یا پھر بذریعہ V.P منگوا سکتے ہیں.....گرمی کی چھٹیوں کا لطف دوبالا کرنے کا واحد بے حد دلچسپ اور سنسنی خیز طریقہ.....

نام ناول	قیمت	نام ناول	قیمت
سازش تیار تھی	66روپے	کہانی کا قتل	18
قاتل کا خط	18	سیاہ خوف	63
حویلی میں موت	66	بحران کا جال	132
مظلوم قاتل	36	ہولناک وبا	36
بے دل انسان	132	سنہری جال	36
چلتا پرزہ	30	خون کی بولی	18
سورج کا خوف	60	ناتاب	60
خوف کا نام	18	گڑیا کا چکر	36
دوسری دنیا کا انسان	132	سر پھرے	36
ایک کنول جھیل کنارے	50	دوسرا سانپ	18
برف کی روشنی	36	مٹیھا کی واپسی	36

نام ناول	قیمت	ناول ناول	قیمت
بھوانی کے مجرم	36	خونی دھماکے	36
ہزار سال کا شہر	36	نیلا دانت	36
ساتواں کون	66	آگ کی مورتی	18
مجرم چھلانگ	66	چار کروڑ کا ہاتھ	36
پراسرار مجرم	36	سر لاس	120
پراسرار چور	36	وہی کارواں وہی راستے	50
اینٹ کا جواب	36	موت کا ستارہ	60
سونے کی کار	18	قتل کا پروگرام	18
بھوت	66	تصویر کا غلام	33
انوکھا پروگرام	36	بن بلائے مہمان	36
مجرم کی تلاش	36	چال کا جواب	36
ملاقاتی کارڈ	36	دولت کا زہر	36
ہیروں کی بارش	36	گھر کا دشمن	18
خطرناک پاگل	36	پھندے پر لاش	18
موت کا ڈاک بنگلہ	18	آدھے ہیرے کا چور	18
کالے کھنڈر کا بھوت	18	کہانی کا سوراخ	33
پراسرار تیر	18	گھناؤنا رستم	18
پاگل مردہ	18	آخری سمندر خاص نمبر	114

آپ کے خطوط

پہلا انعامی خط

پیارے انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم!

سب سے پہلی بات کہ آپ کے چھوٹے بھائی اور انسپکٹر ارسلان سیریز کے خالق "آفتاب احمد" رضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ میں تو یہ پڑھ کر سکتے میں جیسے آ گیا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی جوانی میں انسان کی موت لیکن پھر خیال آیا کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ اسے نہ تو روکا جا سکتا ہے اور نہ رکوایا جا سکتا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خدا ان کو اپنی رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

انکل! انسان کو تو اس دنیا میں آنا ہی جانے کے لئے پڑتا ہے۔ لیکن کسی کو آگے کسی کو پیچھے غرض، سب خدا کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنی امان اور رحمت میں رکھے۔ آخری سمندر خاص ناول کہوں یا خاص نمبر کہوں، کیونکہ یہ ناول کئی باتوں کے لحاظ سے ایک یادگار ناول بن گیا ہے۔ پہلی تو خط کے شروع والی بات، دوسری اس بار دو باتوں میں آپ نے طاہر الیس ملک کا نام دیا۔ تیسری یہ کہ ناول کا نام "سمندر سیریز" کا آخری ناول کا نام تھا۔ ناول شروع کیا تو واقعی اس میں ایسے ڈوب گیا کہ نکلنے کا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسا سپنس میں نے آپ کے بہت کم ناولوں میں دیکھا تھا۔ ایسا چھجتا ہوا سپنس، جو قاری کو اپنی گرفت میں "ترکیب نمبر 13" کے مطابق لے لیتا ہے۔ اب تو واقعی مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ اپنی 80 کی دہائی کے ناولوں والی فارم آ گئے ہیں۔ ہر پارٹی کو اس کا انصاف برابر ملتا ہے۔ سپنس تو واقعی زیادہ ہوتا ہے۔ اس بار طنز و مزاح میں اس کا اپنا مقام تھا۔ کیونکہ آپ کے چند ایک ناول، فضول باتوں کی وجہ سے وقت ضائع کر دیتے تھے جس کی وجہ سے ناول میں وہ مزہ نہیں رہتا اور آپ کے قارئین نے یہ سوچ کر کہ آپ ناول صرف پیسہ کمانے کی غرض سے لکھتے ہیں۔ پڑھنا چھوڑ دیا لیکن اس بار "آخری سمندر" نے وقت تو بالکل ضائع نہ کیا اور یہ یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ "پیسہ وصول" اور میرا خیال ہے کہ اگر وہ قاری یہ خاص نمبر پڑھیں تو آپ کے ناول پڑھنے لگیں۔

ویسے اگر تنقید نگار کی نظر سے دیکھا جائے تو آپکے ناول کو میں "☆☆☆" دیتا ہوں۔ ایک ستارہ اور بھی مل جاتا لیکن اس ناول میں ایک ایسی سائنسی لحاظ سے غلطی تھی جو کہ واقعی غلطی کہلائی جائیگی آپ نے لکھا تھا کہ انسپکٹر جمشید کا بلڈ گروپ سوائے چند اشخاص کے کسی کے پاس نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ O,Neq دنیا کا واحد بلڈ گروپ ہے کہ جو ملتا ہے لیکن مشکل سے۔ اسی طرح انسان کا خون اچانک بدلنا خاص طور پر جوان آدمی کا چند منٹوں میں آسان نہیں بلکہ ناممکن ہے، کیونکہ انسان کا خون صرف لمحوں

لحوں سے بدلا جاتا ہے ایک ہی بار میں نہیں۔ خیر امید ہے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔

اب ایک خاص بات، میرے بھوئی، ڈاکٹر شیراز جمال آپ کے پہلے ناول کے شاید پہلے قاری تھے کیونکہ انہوں نے "جبرال کا منصوبہ" جیسا نایاب خاص نمبر تک پڑھا ہوا ہے۔ ملاشا کا زلزلہ، وادیٔ دہشت، جمیل کی موت اور اغوا کی موت وغیرہ غرض آپ کے پہلے 15 خاص نمبر تو انہوں نے پڑھے ہوئے ہیں۔ افسوس کہ وہ خاص نمبر کسی نے ان سے لیے اور پھر واپس نہ کر سکا۔ اب کی بار وہ ہمارے گھر آئے تو مجھے کہا کہ خاص نمبر آیا ہے کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ آیا ہے لیکن میں اس لئے لانہ سکا کہ میرے پرچے تھے، چنانچہ وہ اگلے دن مجھ سے دکان کا نام پوچھ کر گئے اور تین خاص نمبر، بجر ان کا جال، آخری سمندر، اور بے دل انسان لے آئے اور پڑھنے بیٹھ گئے اور تب اٹھے جب انہیں کھانا کھانے کو کہا گیا اور پھر کھانے کے بعد بیٹھے پڑھنے تو تب ناول ختم کر کے اٹھے۔ وہ آپ کے ناولوں کے صحیح مزاج نہیں کیونکہ میری طرح وہ بھی کئی دکانداروں سے آپ کے ناولوں کا پوچھتے رہتے تھے۔ اور اس کے علاوہ وہ آپکو خط بھی لکھتے رہتے تھے۔ جن کے جوابات آپ ہمیشہ دیا کرتے تھے۔ وہ اب بھی مجھے کہتے ہیں کہ واقعی اشتیاق احمد تو اب اپنی اصل فارم میں آئے ہیں۔

انکل "کٹا ہوا شہر" میں میرا انعام نکلا تھا، وہ ابھی تک مجھے نہیں ملا۔ اور خاص نمبر میں "کرداروں سے سوالات" بھی نہیں نظر آئے۔ مہربانی فرما کر یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ کیونکہ اب ناول بالکل پرانے انداز کے لگتے ہیں۔

انکل آخر میں اتنی بات کہوں گا، یہ ناول بچوں کے ناولوں کی تاریخ میں ایک یادگار ثابت ہوگا۔ خدا آپ کو اور آپ کے قلم میں لکھنے کی طاقت جاری وساری رکھے۔ اتنی ہی دعائیں ہماری ہوسکتی ہیں۔ دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھے گا۔ خط کے ساتھ جوابی خط بھی بھیج رہا ہوں۔ جواب ضرور دیجئے گا۔ اللہ حافظ

آپکا مخلص

شیر نواز گل

شیر نواز گل ولد گل مست خان، گاؤں وڈاکخانہ اڑمڑ پایان، تحصیل وضلع، پشاور۔

دوسرا انعامی خط

ڈیئر انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم!

خاص نمبر اپنے ساتھ کئی حیرتیں اور صدمہ لایا۔ آفتاب احمد کے انتقال کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو اور مرحوم کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کو جنت نصیب فرمائے، آمین۔ انھی سے متعلق ایک تجویز ہے کہ انہوں نے انسپکٹر ارسلان سیریز لکھی۔ اور آپ کے بعض قاری چوتھی پارٹی کا بھی کہہ رہے ہیں اس لیے آپ اپنے بھائی کی یاد میں ارسلان سیریز شروع کر دیں۔ قارئین کی اکثریت کامران اور شوکی سیریز شروع کرنے کا کہہ

رہے ہیں لہٰذا آپ ہر مہینے چاروں پارٹیوں پر ایک ایک ناول لکھیں۔
اب واپس خاص نمبر پر رائے کی طرف۔ پہلی حیرت کم صفحات دیکھ
ہوئی، پھر صفحات کے لحاظ سے قیمت بھی زیادہ تھی۔ شوکی برادرز کو
شامل نہیں کیا خوشی ہوئی۔ کیونکہ صرف نام شامل کرنے کا فائدہ
نہیں۔ ٹی ایس ایم کی حقیقی واپسی کا سن کر خوش ہوئی۔ اب ناول میں
بھی واپسی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ آپ کی بھتیجی حنا مسعود کی باتوں
سے مجھے اتفاق ہے۔ خاص نمبر کی کہانی کا آغاز سوفیصد پرانے انداز
سے ہوا۔ حسب معمول جمشید پارٹی پہلے کہانی میں شریک ہوئی۔
حامد نیازی نے چکرا کر رکھ دیا۔ باس درباس کی آمد بھی خوب رہی۔
ڈاکوؤں سے لڑائی خوب رہی دشمنوں نے جمشید پارٹی کو شاندار دھوکا
دیا۔ پاک لینڈ کے صدر پر بہت غصہ آیا۔ فوس نے حیران کر دیا۔ صفحہ
265،266 پر فوس نے محمود کو غائب کر دیا پھر بھی محمود آخر تک باتیں
کرتا رہا۔ آپ پر غصہ بھی آیا کہ خاص نمبر کے 469 صفحات میں سے
270 صرف جمشید پارٹی کے رکھ دیے انسپکٹر کامران مرزا کے صفحات
اگرچہ کم رہے لیکن طویل عرصے بعد ان سے انصاف ہوا۔ جس آسانی
سے انہوں نے حامد نیازی کو چھڑا لیا اس نے حیران کر دیا۔ پہلی مرتبہ
انسپکٹر کامران مرزا کسی صلاحیت میں انسپکٹر جمشید سے آگے رہے۔
آئندہ بھی ان سے انصاف ہونا چاہیے انجام کچھ ہلکا ہوا۔ ناول سے قطعہ
غائب تھا، آفتاب، آصف، فرحت کچھ بجھے بجھے سے رہے۔ بہرحال
مجموعی طور پر اس ناول نے "بے دل انسان" کو مات کر دیا۔ اب
اجازت دیجیے۔

والسلام
آپ کا قاری
محمود الحسن
مکان نمبر B,632 ملیر کالونی نزد برف خانہ کراچی

تیسرا انعامی خط

پیارے انکل اشتیاق احمد
السلام علیکم!
آپ کا ارسال کردہ منی آرڈر مجھے مل گیا تھا، شکریہ۔ آپ کا
نیا خاص نمبر "آخری سمندر" پڑھا۔ آفتاب انکل کی وفات کا پڑھ کر
افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو غریق
رحمت کرے (آمین)۔
خاص نمبر کے آخر میں آپ نے اس پر تبصرہ کرنے کو کہا تھا
لہٰذا خاص نمبر پر ایک تنقیدی جائزہ حاضر ہے۔
انکل! اس مرتبہ کا ٹائیٹل بہت زبردست تھا اگرچہ ناول کی
کہانی سے مطابقت نہیں تھی مگر بہت دیدہ زیب تھا اور بہترین کوشش
سے بنایا گیا تھا۔ صفحہ پلٹا تو جمشید + کامران پارٹیوں کا ذکر موجود تھا
مگر ہمارے فیورٹ شوکی برادرز غائب تھے پھر سوچا کہ شاید سچوایشن
کے مطابق جگہ نہ بنی ہو اور ناول پڑھ کر ہمارا اندازہ درست نکلا۔
انکل! اس ادارے کی ایک ریت چلی آ رہی ہے کہ خاص

نمبروں میں کم از کم پانچ، چھ صفحات پر احادیث موجود ہوتی ہیں لیکن اس دفعہ صرف ایک حدیث ہی پڑھنے کو مل سکی، دو باتوں میں آپ نے اپنا مخصوص انداز برقرار رکھا اور باتوں باتوں میں بہت کچھ کہہ گئے۔ آپ نے سمندر سلسلے کے حوالے سے نام آخری سمندر رکھنے کی کوئی خاص وجہ نہیں لکھی، نام بھی کہانی کے مطابق نہیں تھا۔

ناول کا آغاز روایتی انداز میں ہوا، حامد نیازی کا ایک ایماندار ہیڈ کلرک کے طور پر رشوت نہ لینا اور غنڈوں کا انہیں دھمکیاں دینا اور پھر ان کا انسپکٹر جمشید سے رابطہ کرنا، لیکن پھر اچانک یہ معاملہ بہت اہمیت اختیار کر گیا اور پانچ، چھ ممالک اس میں کود پڑے، عجیب سا لگا۔ غنڈوں کی لڑائی میں بھی آپ کا پرانا سٹائل نظر آیا۔ پہلے منگو جیرا اور پھر استاد اور باس نے Typical پرانے ناولوں کی یاد دلا دی۔

اس مرتبہ جمشید پارٹی کا جہاز کی تلاش کے لیے اڑ جانا اور پھر جہاز کے ساتھ ساتھ سفر کرنا، بہت پسند آیا۔ ڈاکوؤں سے لڑائی اور پھر ان کا جہاز ڈبو دینا، ہمیں کچھ پچھلے خاص نمبروں کی سیر کراتا ہوا محسوس ہوا (بگال مشن، اغوا کی ملکہ، دائرے کا سمندر وغیرہ) یہاں پر محسوس ہوا کہ آپ ناول کو طول دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ایک بات سمجھ میں نہیں آئی "الاسکا" پر روانہ ہوتے وقت انسپکٹر جمشید اپنے عملے کو "پنٹی" جہاز کی تلاشی اور ان کی واپسی تک اسے روکے رہنے کا حکم دے کر آئے تھے مگر پھر بھی وہ سفر پر رواں دواں رہا؟ اسی طرح صفحہ 189 پر حساس آلات کے ہوتے ہوئے بھی ان کی آواز دشمنوں کو سنائی نہیں دی جب کہ پہلے کی تمام باتیں وہ سن چکا تھا۔ صفحہ 150 پر انسپکٹر جمشید کپتان کی جگہ سردار کہتے ہیں۔ صفحہ 160-170 پر ریاست بوٹان کی جگہ ریاست پنٹی لکھا گیا۔ (مزید غلطیوں کی نشان دہی آگے کہانی کے ساتھ ہی کروں گا)۔

فوس کی قوت کا مظاہرہ ہمیں ایک بار پھر غار کا سمندر کی طرف لے گیا کہ یہ ایک ایسی طاقت تھی جس سے انشارجہ اور بگال بھی ڈرتے تھے۔

کامران مرزا پارٹی کا فرار ہونا پسند آیا۔ سر ڈنگو سے ملاقات عجیب سی تھی مگر اس کی کوئی تک سمجھ میں نہیں آئی۔ فرار کے بعد کامران مرزا پارٹی وِنٹاس کے لیے کام کرنے پر مجبور ہو گئی۔ کیا ان کے اپنے پاس ایسے جاسوس نہیں تھے؟

صفحہ 200 پر بیگم جمشید کو الیکٹرک شاک چیئر پر بٹھایا گیا مگر بعد میں ایسے لگتا تھا کہ شکنجے میں کسا گیا ہو۔ 211 پر بیگم جمشید دوبار سونا گھاٹ کا پتہ بتایا (یاد رہے سونا گھاٹ بھی آپ کے کئی ناولوں میں آ چکا ہے) 226 پر ریاست شابان کی جائے رداتان لکھا گیا صفحہ 365 پر جنرل شش موس کی موجودگی سمجھ میں نہیں آئی۔

جہاز پر لڑائی کے دوران دشمن نے تو کہا تھا کہ کامران مرزا 2 گھنٹے سے پہلے بول نہیں سکیں گے مگر وہ فوراً بول اٹھے تھے۔ پھر صفحہ 373 پر بحری جہاز سے اچانک جزیرہ اور درخت آ گئے۔

کامران مرزا اس مرتبہ خوب فارم میں نظر آئے اور اس

آخر میں پروفیسر داؤد چپکے چپکے کام دکھاتے ہیں اور ہیڈ کوارٹر کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جب جمشید + کامران پارٹی واپس اپنے ملک گئے تو صدر صاحب ان کا استقبال کرتے نظر آتے ہیں جب کہ انہوں نے ہی بیگم جمشید اور بیگم کامران مرزا سے غیر انسانی سلوک کیا تھا۔ خیر اس طرح یہ خاص نمبر ختم ہوا۔

انکل آخر میں کہوں گا کہ آپ اس ناول کو لکھتے ہوئے بار بار اپنے پرانے دور میں جانے کی کوشش کرتے رہے تو بے جا نہ ہو گا۔ کہانی سمندر کے گرد گھومتی رہی مگر اس کا ٹمپو سست روی کا شکار رہا۔ مجموعی طور پر خاص نمبر پسند آیا۔ اچھا انکل! اب اجازت دیں۔ انشاء اللہ خطوط کا سلسلہ جاری رہے گا۔

آپ کا قاری

راشد سلیم

مکان نمبر 13 گلی نمبر 23 نزد مین بازار، مصطفیٰ آباد لاہور فون 6866646

السلام علیکم!

بہت دکھ ہوا آپ کے بھائی کے بارے میں پڑھ کر۔ لیکن اللہ آپ کو اور مرحوم کے گھر والوں کو صبر کامل عطا فرمائے۔ آمین

جب آپ کا خط پڑھا تو اپنے لکھے ہوئے خط پر بہت شرمندگی محسوس ہوئی۔ کیونکہ اس میں کافی تلخ آمیز باتیں لکھ دی۔ جس کی وجہ سے شاید آپ کو دکھ بھی ہوا ہو۔ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں ان باتوں پر جو آپ کو لکھی تھی۔

ناول میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے انہیں جمشید سے کم نہیں دکھایا البتہ باقی افراد پروفیسر داؤد خان رحمان، فرزانہ، محمود، آفتاب اور آصف وغیرہ کوئی خاص کام نا دکھا سکے، جزیرے پر دونوں پارٹیوں کی ملاقات خوب رہی۔ مگر ارسوس کی کھائی ہوئی گولیوں سے انہیں نیند نہیں آئی ء۔ اسی طرح ہیلی کاپٹر میں میں گیس سے وہ بے ہوش نہیں ہوئے اس کی آپ نے وضاحت نہیں کی۔

جزیرے سے جمشید کا حامد نیاری کے میک اپ میں چلے جانا ایک اچھی ترکیب تھی ویسے اس بات کا انداز ہم پہلے ہی لگا چکے تھے کہ وہ ایسا کریں گے۔ مگر حیرت انگیز دشمن سب کچھ جانتا بوجھتا تھا۔

برف کی وادی (ہمارا پسندیدہ ترین ہیڈ کوارٹر رہا ہے) نے بھی کئی خاص نمبروں کی کہانی تازہ کی جن میں برف کے اس پار، قیامت کے باغی وغیرہ شامل ہیں جب فوس شگاف کھولتا ہے تو اس نے کہا کہ حامد نیاری کے علاوہ جو بھی چھلانگ لگائے گا وہ نیچے جا گرے گا جبکہ بعد میں سب لوگوں کو چھلانگ لگاتا دکھایا گیا ہے؟

اب آتے ہیں اختتام کی طرف، انکل یوں لگتا ہے کہ اختتام آپ نے جلدی جلدی میں کیا ہے، پوری دنیا میں ایک ہی گروپ کے صرف دو چار افراد کا پڑھ کر یقین نہیں آیا۔ اور پھر خون تبدیل کرنے کا مسئلہ فوس کا تھا جب کہ پانچ چھ ممالک کا دخل دینا یوں ظاہر کرتا ہے جیسے یہ کوئی بہت بڑا مسئلہ ہے؟ پروفیسر ٹوشی نے غداری کی مگر ارسوس دوبارہ نظر نہیں آیا۔

ایک اور بات کہ اور تو کچھ کر سکتا ہوں یا نہیں ایک کام نہیں
چھوڑ سکتا وہ ہے۔ کہ بچوں کے مشہور مصنف اشتیاق احمد کے ناول نہیں
چھوڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین
آپ اپنے ادارے والوں کو بھی بتا دیں کہ وہ مجھے ناول بذریعہ
وی پی نہ بھیج دیں۔ آپ ڈریکولا کا بھوت اور آخری سمندر بذریعہ
رجسٹری بھیج دیں شکریہ۔ اور کوئی بات لکھنے کو دل ہی نہیں کو رہا۔ اچھا
اب اجازت چاہوں گا۔

اللہ حافظ

فقط آپ کا ایک چاہنے والا قاری
محمد مدثر رشید
408-E Shah Ruken-e-Alam Colony Multan.

محترم انکل اشتیاق احمد
السلام علیکم!
میں آپ کے ناول باقاعدگی سے ہر ماہ لے کر پڑھتا ہوں۔
آپ بڑے مجرموں کو خاص نمبر میں بڑی آسانی سے مروا دیتے ہیں۔
بہر حال مجھے آپ کے ناولوں سے عشق سے ہو گیا ہے۔ اس ماہ کے
ناولوں کے پیچھے خاص نمبر کا اشتہار دیکھا۔ اشتہار سے بڑا سپنس فل
ناول لگ رہا تھا۔ بڑی بے چینی سے انتظار ہے۔ آپ نے "جی موف +
سی مون" اور "دنیا کے اس پار" جیسے ناول بھی لکھے۔ میں نے آپ
کے تقریباً 300 ناول پڑھے۔ ان میں سب سے زیادہ پسند آنے والا
"سمندر کی آگ" ہے۔ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ
"وثاس" کا اصلی نام کیا ہے۔ امید کرتا ہوں جواب مل جائے گا۔

والسلام
آپ کا قاری
اسد جہانگیر۔ 1/8 طارق روڈ، رجمنٹ بازار، سیالکوٹ کینٹ

محترم اشتیاق انکل
السلام علیکم!
امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں بھی خیریت
سے ہوں۔
میں آپ کے ناول پڑھتا ہوں اور یہ ایک روایتی سا جملہ ہے
میرا آپ کو یہ پہلا خط ہے۔ اس میں آپ کو چند ناولوں کے نام لکھ رہا
ہوں۔ جو آپ مجھے کوشش کر کے ۱۵ جون سے پہلے پہلے بھیج دیں
شکریہ۔
☆ آدھے ہیرے کا چور ☆ موت کا ڈاک بنگلہ ☆ پھندے
پر لاش ☆ کالے کھنڈرات اور خاص طور پر "علیم بستی" آپ مجھے
۲۰ جون کے خاص نمبر "آخری سمندر" کی قیمت بھی لکھ بھیجیں۔
آپ جس انداز میں بچوں کو اسلام کی محبت اور ملک و قوم کی
محبت کی طرف راغب کر رہے ہیں۔ یہ انداز مجھے بہت پسند ہے۔ اور
میں دل سے اس کی قدر کرتا ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ
مجھے "علیم بستی" کی طرح کی کتابوں کے نام لکھ دیا کریں اور ان کی

قیمت بھی، آپ کے جو نئے ماہ کے ناول ہیں ان کے نام اور قیمت بھی
لکھ دیا کریں اور مجھے بتادیں کہ اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا۔ میں
آپ کو اس خط کے ساتھ جوابی لفافہ اور خط لکھنے والا کاغذ بھی
بھجوا رہا ہوں۔ یعنی اگر آپ مجھے مستقل خط لکھیں گے تو کیا مجھے اس کے
لئے پیسے بھیجنے پڑیں گے یا... جس طرح آپ مجھے سمجھا دیں۔ شکریہ۔
میری آپ سے آخری گزارش یہ ہے کہ آپ میرا کوئی بھی
خط اپنے ناول میں شائع نہ کریں۔ خط میں نے خط شائع کروانے کے
لیے نہیں لکھا بلکہ میں آپ سے خلوص دل سے گزارش کرتا ہوں
کہ میرا کوئی بھی خط ناول میں شائع نہ کریں۔ یہ خط آپ کے لیے ہے
اور اس کا جواب میرے لیے۔ اچھا جی اب اجازت دیں۔

والسلام

بلال جاوید
103Rovi Block. Allama Iqbal town. Lahore

محترم انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم!

آفتاب احمد کے فوت ہونے کی خبر پڑھی۔ بہت دکھ ہوا۔ اللہ ان
کی مغفرت کرے۔ آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو صبر عطا کرے۔
اس ماہ کا خاص نمبر بہت اچھا تھا اور پچھلے ماہ کے ناولوں میں
"کٹا ہوا شہر" کا سرورق بہت عمدہ تھا۔

شاکر علی۔ پاکستان چوک، ریلوے ریسٹورینٹ بلڈنگ، فلیٹ
نمبر 17 آؤٹ رام روڈ کراچی

اب ہر ماہ 4 نئے ناول
* اشتیاق احمد بچوں کے ادب میں ایک نئے انداز کے طور پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔
* اب تک چھوٹے بڑے 683 ناول لکھ چکے ہیں۔
* ان میں سوا سو صفحات والے ناولوں سے لے کر 2 ہزار صفحات والے ناول تک شامل ہیں۔
* اشتیاق احمد دنیا کے واحد مصنف ہیں... جنھوں نے دو ہزار صفحات کا بچوں کا ناول لکھا۔ یہ عالمی ریکارڈ ہے۔
* 683 ناولوں کا ریکارڈ بھی عالمی ہے۔ آج تک بچوں کے کسی ناول نگار کے اتنے ناول نہیں ہیں۔
* یہ سلسلہ الحمد للہ تا حال جاری ہے...
9/12 قیصر آباد۔ ساندہ کلاں۔ لاہور
7112969-7246356

مشہور و معروف مصنف اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور
جاسوسی سے بھرپور ناول

اب ہر ماہ 4 نئے ناول

* اشتیاق احمد بچوں کے ادب میں ایک نئے انداز کے طور پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔
* اب تک چھوٹے بڑے 683 ناول لکھ چکے ہیں۔
* ان میں سوا سو صفحات والے ناولوں سے لے کر 2 ہزار صفحات والے ناول تک شامل ہیں۔
* اشتیاق احمد دنیا کے واحد مصنف ہیں... جنھوں نے دو ہزار صفحات کا بچوں کا ناول لکھا۔ یہ عالمی ریکارڈ ہے۔
* 683 ناولوں کا ریکارڈ بھی عالمی ہے۔ آج تک بچوں کے کسی ناول نگار کے اتنے ناول نہیں ہیں۔
* یہ سلسلہ الحمد للہ تاحال جاری ہے...